

عرفانِ حق

﴿وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ
مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝﴾

[المائدة: ۸۳]

”اور جب وہ سنتے ہیں جو رسول کی طرف نازل کیا گیا ہے تو ٹو دیکھتا ہے کہ ان کی
آنکھیں آنسوؤں سے بہ رہی ہوتی ہیں، اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا، کہتے
ہیں: اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، سو ہمیں شہادت دینے والوں کے ساتھ
لکھ لے۔“

”غیر اللہ سے استغاثہ واستمداد“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝﴾ [یونس: ۱۰۶] ”اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکارو جو تمہیں نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان، اگر تم ایسا کرو گے تو ظالموں میں سے ہو گے۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”استغاثہ مدد طلب کرنے کو کہتے ہیں، یعنی کسی سختی سے نجات چاہنا، جیسے استنصار کے معنی ہیں نصرت طلب کرنا اور استعانت کے معنی ہیں مدد طلب کرنا۔“ دعا خاص ہو یا عام آیت مذکورہ میں اللہ نے ہر دو صورتوں میں ممانعت فرمائی ہے، پس ہر وہ چیز جس پر غیر اللہ کو قدرت نہیں وہ غیر اللہ سے مانگی جائے تو یہ شرک ہے جسے معاف نہ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا ہے۔ سورہ یونس کی اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو پکارنے کی نفی اور تردید کی گئی ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس کے سوا کوئی بھی کسی کو نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ تکلیف۔ آیت مذکورہ میں ظلم سے مراد شرک ہے، جیسا کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے کہا: ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ [لقمان: ۱۳] یعنی شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝﴾ [یونس: ۱۰۷] ”اگر اللہ تمہیں کسی مصیبت میں ڈالے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس مصیبت کو ٹال دے اور اگر وہ تمہارے حق میں کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو پھیرنے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور وہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ وہی ہے جو سوال کرنے والوں کو اپنے فضل و کرم سے نوازتا ہے اور جس پر وہ اپنا فضل و کرم کر دے اسے روکنے کی طاقت کسی میں نہیں۔ وہی عطا کرتا ہے اور وہی روکتا ہے، جسے عطا کر دے اسے روکنے والا اور جس سے روک لے اسے دینے والا کوئی نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کا مفہوم بھی یہی ہے جس میں رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ((واعلم أن الأمة لو اجتمعوا على أن ينفعوك بشيء لا ينفعوك إلا بشيء قد كتبه الله لك.)) یعنی اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر ساری کائنات تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہے تو نہ پہنچا سکے گی مگر جتنا اللہ کریم نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے۔

زیر نظر آیت کریمہ کے مفہوم پر غور و فکر کرنے کے بعد پتا چلتا ہے کہ مصائب و مشکلات کے وقت غیر اللہ کو پکارنا ہی ظلم عظیم ہے جس میں امت مسلمہ کی اکثریت گرفتار ہے۔ یہ ایسا شرک ہے جسے اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہ کرے گا کیونکہ جو شخص غیر اللہ کو پکارتا ہے اس نے ایسی چیز ثابت کرنے کی کوشش کی جس کی لالا اللہ الالہ النبی اور تردید کرتا ہے، اور جس چیز کی نفی اور تردید کرنے کی جسارت کی جس کو لا الہ الا اللہ ثابت کرتا ہے، وہ ہے اخلاص، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۝ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ۝﴾ [الزمر: ۲، ۳]

یعنی تم اللہ ہی کی بندگی کرو، دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے، خبردار! دین خالص اللہ کا حق ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَكُونَا لَهُ شَاكِرِينَ إِلَّا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ لِهَذَا إِنَّهُ لَكَنُفُورٌ

سمایہ دست
مولانا ابوبکر صدیق السلفی

بانی
مولانا محمد عطاء اللہ حنیف

مسک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

الاعنصل

یکے از مطبوعات دارالدعوة السلفية

11 ربیع الثانی 1434 ھ جمعۃ المبارک 22 تا 28 فروری 2013ء

شماره 08 جلد 64

مجلس ادارت

- شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی
- مولانا محمد اسحاق بھٹی
- مولانا ارشد الحق اثری
- ملک عصمت اللہ قلغوی
- حافظ حماد شاہر
- حماد الحق نعیم

مدیر مسئول

- حافظ احمد شاہر

مینجر

- محمد سلیم چنیوٹی 0333-4611619

کمپوزنگ

- رضا اللہ ساجد 0344-4656461

2	(حافظ احمد شاہر)	عرفان حق	☆ جواہر پارے
4	(مولانا ارشد الحق اثری)	”غیر اللہ سے استغاثہ واستدرا“	☆ کلمہ طیبہ
10	(توفیق احمد)	تفسیر سورہ یس..... (۶۱)	☆ ادارہ
12	(مولانا حافظ عبدالحمد سہیل)	غنیۃ القاری بترجمة ثلاثیات البخاری (۹)	☆ درس قرآن
14	(مولانا نور العین سلفی)	اللہ اور اس کی توحید	☆ درس حدیث
19	(پروفیسر محمد معین فاروقی)	اسلامی نظام معیشت کی خصوصیات..... (۳)	☆ عقائد اسلام
23	(عبدالرحمان ہاشمی)	مسجد: حیات انسانی کا مرکز	☆ اسلامی معیشت
29	(غوث کشمیری)	مشاہدہ اور اس کی اہمیت	☆ شعائر اسلام
		مولانا عبدالرحمن مبین رحمہ اللہ	☆ علوم و معارف
		گروہ برائے ماننے	☆ تذکرہ علمائے اہل حدیث
			☆ شعر و ادب

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
 کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور
 فون نمبر : 042-3735 4406
 فیکس نمبر : 042-37229802
 رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

فی پرچہ : 12/- روپے
 سالانہ : 500/- روپے
 بیرونی ممالک سے : 200/- ریال }
 60/- ڈالر امریکی



E-Mail: al.aitisam@gmail.com

پرنٹر: پرنٹ یار ڈپرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاہر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

ترجیحات

..... انتخابات کی بہار آرہی ہے..... مفادات کی فصلیں پک چکی ہیں۔ فصلی بیوروں نے منڈیریں تبدیل کرنی شروع کر دی ہیں۔ صحنوں میں دانہ بکھیرا جا رہا ہے اب دیکھئے کس پرندے کا دانہ پانی کہاں لکھا ہوا ہے۔ الیکشن کمیشن نے آئین میں موجود شرطوں اور پابندیوں کے کیونس کھولنے شروع کر دیے ہیں۔ عدالت عظمیٰ نے بڑی احتیاط سے جعلی ڈگریوں پر کارروائی کے آغاز کے اشارے دیئے شروع کر دیئے ہیں۔ اخباری اطلاعات کے مطابق سیاسی بنیادوں پر بینکوں سے قرضے معاف کروائے جانے کا ریکارڈ عدالت عظمیٰ کی تحویل میں جا چکا ہے اس سے کچھ برآمد ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اگر برآمد ہو بھی جائے تو کہاں جائے گا کہ اس سے قبل عدالت عظمیٰ نے بدعنوانی کے جواربوں روپے نکلوائے وہ خزانے ہی میں گئے ہوں گے یا امریکی بننے کو سود کی ادائیگی کی ہوگی۔ اگر بینکوں کو ڈوبے ہوئے قرضے ہی مل جائیں تو حکومت جو بینکوں کی کھربوں کی مقروض ہوتی جا رہی ہے شاید وہی بوجھ کچھ کم ہو جائے اور عوام کو بجلی کے بلوں پر ہر ماہ اضافے سے نجات مل جائے اور ایندھن کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کو بیک گیر لگ جائے لیکن یہ سب خوش فہمیاں یا مستقبل کے ایسے سہانے خواب ہیں جن کی تعبیر کم از کم ہمارے ہاں تو شاید ہی کبھی سچ ہوئی ہو۔ ہمارے خیال میں فوری ضرورت عوام کی خوراک میں سبسڈی، ملٹی نیشنل فرموں کی ادویات کی مہنگائی، پھر ان کے دیکھا دیکھی ملکی ادویات کی قیمتوں میں ہوشربا اضافے پر کنٹرول، توانائی، تیل، بجلی، گیس میں حکومتی اداروں کی لوٹ مار کو روکنے اور صنعتوں کے بند پھسے کو چلانے کی کوشش ہے؟ ہمارے خیال میں ان خرابیوں کے اسباب یہ ہو سکتے ہیں:

(۱) سودی نظام، (۲) لوٹ کھسوٹ سے مالی ذخائر میں کمی، (۳) حکومتی اخراجات میں غیر معمولی اضافے، (۴) قرض در قرض یعنی ایک قرض ادا کرنے کے لیے مزید قرض لیے جانے کی عادت، (۵) وزراء کی فوج ظفر موج، (۶) مختلف عنوانات کے تحت قوم کے سرمایے سے خدام قوم (ممبران سینٹ و اسمبلی) پر ترقیاتی فنڈز کی آڑ میں نوازشات کی بوچھاڑ۔

ان انتخابات میں حسب سابق ہر جماعت نئے پروگرام اور نئے منشور یقیناً پیش کرے گی۔ کیا کسی سیاسی جماعت سے اس بات کی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ عوام جسے سیاست دان کا لانعام سمجھتے ہیں کی بنیادی ضروریات غذا، دوا، لباس میں سبسڈی کا وعدہ کرے اور موہوم ترقیاتی پروگراموں کی بجائے خلق خدا کی ضروریات کو ترجیح دے، توانائی کی بحالی کو اولین ترجیح دے کر بے روزگاری ختم کرنے کا جذبہ دکھائے اور اس کے لیے ٹھوس اقدامات کا وعدہ کرے اور حکومتی اخراجات میں کفایت اور وزراء کی فوج ظفر موج کو مختصر کرنے کا اعلان کرے۔

ادھر اخبارات میں پینتالیس ارب ڈالر کی غیر ملکی سرمایہ کاری کی نوید بھی آچکی ہے جب کہ فریق ثانی ابھی تمہیدی گفتگو شروع ہونے کا کہہ رہے ہیں لیکن ہمارے ملک کا بادشاہ گراشتہارات کے ذریعے اپنی ذات اور فرم کی نمود خوب کر رہا ہے۔ جس سے اگر نیل منڈھے چڑھ گئی تو وطن عزیز کی پچپن تعمیراتی صنعتوں کو فروغ ہوگا اور پچیس لاکھ افراد کو روزگار بھی مل جائے گا۔ وطن عزیز میں جاری روایات کے مطابق ہم تو اس اعلان کو بھی انتخابی مہم کا حصہ ہی سمجھتے ہیں۔ جب کہ اس کے بالمقابل لاہور میں سفری سہولیات کے لیے حکومت پنجاب کا میٹرو بس منصوبہ باس معنی مفید ہے کہ یہ منصوبہ عوام کی بنیادی اور فوری ضرورتوں کا ایک حصہ ہے۔ تاہم ہر حکومت کے لیے عوام کی بنیادی ضروریات کی دستیابی اولین ترجیح ہونی چاہیے کہ قیامت کے دن ہر راعی حاکم سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھ گچھ کا ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام

بہت واضح ہے۔ ایک راعی..... گھر، ماتحتوں اور عوام کے بارے میں..... عند اللہ جواب دہی کے خوف سے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) دن رات لرزاں وترساں رہتے تھے اور ان کا یہ قول تاریخ حکمرانی کا سنہرا قول ہے کہ اگر دریاے فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا مر جائے تو قیامت کے دن عمر اس کا بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہ ہوگا۔ جس لیے حقیقی بات یہی ہے کہ حکمرانوں کو ترقی اور آسائش سے پہلے رعایا کی بنیادی ضروریات اور ان کے جان و مال کے تحفظ کی ذمہ داری کی طرف دھیان ہی نہیں اس کو پورا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

فی الفور اور سرعام سزا:

اسلام کا عادلانہ نظام ایسا جامع، مؤثر اور مفید تر ہے کہ اس نظام کو جس ملک یا حکومت نے بھی اپنایا وہاں سے جرائم اس طرح ناپید ہوئے کہ دوبارہ جرم کا تصور کرنے سے بھی انسان لرز جاتا ہے۔ وہ نظام ہے فی الفور فیصلہ اور اس فیصلے پر سرعام سزا۔ مغرض جمہوریاں جنرل ضیاء الحق رضی اللہ عنہ نے اپنے اوائل دور حکومت میں ایک مجرم کو لاہور میں سرعام سزا دی تھی اس کے بعد ایک عرصہ تک اس کی دہشت سے عادی مجرمان بھی جرم کی جرأت نہ کر سکے۔ کاش کہ وہ اس پر ثابت قدم رہتے تو وطن عزیز کا نقشہ ہی بدل جاتا۔ لیکن جرائم پیشہ مغرب نے نام نہاد انسانی حقوق کی دہائی دے کر سرعام سزا ان ممالک میں بھی موقوف کرادی ہے جہاں جرائم کا گراف دنیا میں سب سے کم ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی کئی بار ان صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ وطن عزیز میں مذہبی دہشت کا پہلا واقعہ ۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء کو لاہور قلعہ چھمن سنگھ کے چوک میں ہوا تھا، جس میں جماعت اہل حدیث کی نادر روزگار شخصیت اور مسلک کے بے باک و بے لوث داعی جناب علامہ حافظ احسان الہی ظہیر رضی اللہ عنہ خطاب کر رہے تھے، کہ سٹیج میں موجود گلہ سٹے میں ریویو کنٹرول بم بلاسٹ ہو گیا تھا جس میں ان کے علاوہ جماعت کے محبوب مبلغ مولانا حبیب الرحمن یزدانی رضی اللہ عنہ مایہ ناز محقق مولانا عبدالخالق قدوسی رضی اللہ عنہ کے علاوہ بعض دیگر افراد شہادت سے سرفراز ہوئے تھے، اس حادثہ کے بعد جماعت اہل حدیث کے ہر طبقے نے ہر جگہ صدائے احتجاج بلند کی تھی لیکن وہ سب جلوس احتجاج اور قراردادیں یوں اکارت چلی گئیں کہ کسی مرکزی یا صوبائی حکمران نے ان کا کوئی نوٹس نہ لیا اگر اس وقت گربہ کشتن روز اول یعنی اگر پہلے دن ہی مجرمین عیاں کر دیے جاتے اور ان کو سرعام سزا دے دی جاتی تو وطن عزیز کو نہ یہ دن دیکھنا پڑتے نہ وطن عزیز کے بدخواہ وطن عزیز میں مذہبی منافرت کا زہر پھیلا سکتے۔

کونڈے میں ایک اندوہناک واقعہ اس سے پہلے بھی بپا ہو چکا ہے اور اب تازہ واقعہ نے تو ہر محب وطن اور دل دردمند رکھے والے کو خون کے آنسو رلا دیئے ہیں۔ اس سے بڑھ کر صدمے اور پریشانی کی بات یہ ہے کہ مخصوص مقاصد کی خاطر یہ دشمنانِ دین و ملت کسی نہ کسی مسلمان تنظیم یا جہادی تنظیم کی طرف اس کی قبولیت بھی منسوب کر دیتے ہیں اور ہماری وزارت داخلہ اس کو تسلیم بھی کر لیتی ہے۔ حالانکہ اسلامی مسالک کا کوئی بھی فرقہ یا مسلک اختلاف رائے سے قتل مسلم کا فتویٰ کیا اجازت بھی نہیں دیتا۔ یک طرفی محبت میں ایسے ظالمانہ اقدامات تو محبوب ہی کیا کرتے ہیں۔ ہمارے موجودہ حکمران ایک عرصے سے جس کو محبوب تسلیم کرانے میں کوشاں ہیں انہی کے بارے میں ہمارے حکومتی حلقے کچھ عرصے بلوچستان میں ان کی دخل اندازی کو بہ زبان خود تسلیم بھی کر چکے ہیں۔ ہمارے سب سیاستدان اور حکمران ایسے اندوہ گیس واقعات پر فوراً گرم گرم بیانات دے کر فرض کفایہ ادا کرنے کو کافی سمجھ کر بالآخر خاموش ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ مجرمین تک پہنچنا؟ ہمارے خیال میں ناممکن ہو ہی نہیں سکتا۔ بس کہیں ہاتھ لمبے ہوتے ہیں اور کہیں.....؟ جب تک مجرمین تک فی الفور پہنچ کر ان کو سرعام سزا اس طرح نہ دی جائے کہ ان کے سراڑا کر چوکوں میں لٹکائے نہیں جاتے تب تک..... خدا نہ کرے..... یہ گھناؤنا..... یعنی مذہبی دہشت گردی کا..... جرم رکنا شاید ممکن نہ ہو۔

پاکستان کے جملہ مسلمان اصحاب فقہ جعفریہ کو پہنچنے والے اس اندوہناک صدمے سے افسردہ ہیں اور اس فعل فبیح و شنیع کی پرزور مذمت کرتے ہیں اور اس کو تعلیمات اسلامی کے منافی جانتے ہیں۔

تفسیر سورہ یس

مولانا ارشاد الحق اثری

افضل سے افضل کی تلاش میں جگہ بہ جگہ سر جھکائے اور ان کو راضی کرنے کے بہانے ان کی نذریں منتیں مانتے کہ مشکل میں اور ضرورت میں ہماری مدد کریں گے۔

﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا﴾

[مریم: ۸۱]

”اور انھوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لیے تاکہ وہ ان کے لیے باعثِ عزت ہوں۔“

ان کی پرستش سے عزت بنی ہوئی ہے، ان کے سب پجاری عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کسی مقدمے میں پھنس جائیں یا بیماری میں مبتلا ہو جائیں تو ان کی بد دولت اچھے ہو جائیں گے۔ مشرکین کا جو طبقہ قیامت کا قائل ہے وہ یہ بھی سمجھتا ہے جیسے یہاں ان کی بد دولت اور برکت سے عزت بنی ہوئی ہے قیامت میں بھی ان کی سفارش سے عزت ملے گی:

﴿هُوَ الَّذِي شَفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ﴾ [یونس: ۱۸]

”یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔“

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ [الزمر: ۳]

”ہم ان کی عبادت اسی لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں گے۔“

بلکہ لڑائی اور قتال میں بھی ان کی مدد کے امیدوار ہوتے تھے۔ غزوہ احد میں ابوسفیان کا ”اعلٰی ہبل“ کہنا بھی اس بات کا غماز ہے۔ غرض یہ کہ دفعِ ضرر اور جلبِ نفع کے لیے اپنے معبودوں کی پرستش کرتے تھے اور آخرت میں بھی ان سے امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا:

﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُونَ ۝ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُونَ ۝ فَلَا يَخْزِيكَ قَوْلُهُمْ إِنَّآ نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝﴾

[یس: ۷۴-۷۶]

”اور انھوں نے اللہ کے سوا کئی معبود بنا لیے تاکہ ان کی مدد کی جائے۔ وہ ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے اور یہ ان کے لشکر ہیں جو حاضر کیے ہوئے ہیں۔ پس ان کی بات تجھے غم زدہ نہ کرے، بے شک ہم جانتے ہیں جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔“

پہلی دو آیات میں کفار کی انتہائی ضلالت و حماقت کا بیان ہے کہ چاہیے تو یہ کہ جس منعم نے ان پر اس قدر احسانات فرمائے ہیں اس کا شکر بجالایا جائے اور دل و جان سے اس کے انعامات کا اعتراف کر کے اس کی بندگی کی جائے۔ مگر انھوں نے ایسے محسن و منعم کی بجائے بہت سے ایسے الہ بنا لیے ہیں جن سے اپنی مدد و اعانت کی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں جو قطعاً ان کی مدد نہیں کر سکتے اور ان کے کوئی کام نہیں سنوار سکتے، چنانچہ فرمایا ہے:

﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً﴾

”انھوں نے اللہ کے سوا کئی معبود بنا لیے۔“

مشرکین مکہ براہِ راست اس آیت کے مخاطب ہیں جنھوں نے تین سو ساٹھ بت بنا رکھے تھے۔ عین اللہ کے گھر میں بھی اللہ کی بجائے ان کی پرستش کرتے تھے۔ جب ایک انسان اللہ وحدہ لا شریک لہ کے لیے مخلص نہ ہو تو پھر اس کے بعد دوسرے نے کبھی کسی ایک الہ پر اکتفا نہیں کیا۔ ہر ایک نے اپنے اپنے خیال کے مطابق بہتر سے بہتر اور

مسیحیوں کی مشہور مستند انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن (۱۰۴۱) میں ایک جگہ فخر سے لکھا ہے کہ کلیسا نے اپنی طویل تاریخ میں کبھی ایسا نہیں کیا کہ خدا کے ساتھ مسیح سے بھی دعائے کی ہو۔

(بہ حوالہ تفسیر ماجدی، ص: ۲۶۵)

حالانکہ خود اللہ تعالیٰ نے ان معبودوں کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ قُلْ أَفَاتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ أَنْ نَنْفُسَهُمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا﴾ [الرعد: ۱۶]

”کہہ: آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ کہہ دے: اللہ، کہہ: پھر کیا تم نے اس کے سوا کچھ کارساز بنا رکھے ہیں جو اپنی جانوں کے لیے نہ کسی نفع کے مالک ہیں اور نہ نقصان کے۔“

اسی حقیقت کا بیان سورۃ الفرقان (آیت: ۳)، الفتح (آیت: ۱۱)، یونس (آیت: ۲۹) اور الاعراف (آیت: ۱۸۸) میں بھی ہوا ہے۔ اس لیے یہاں مراد محض بت یا مورتیاں نہیں بلکہ وہ سب اس کا مصداق ہیں جن کی کسی نہ کسی صورت عبادت کی جاتی ہے۔

یہاں یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً﴾ سے بظاہر یہ مفہوم نکلتا ہے کہ مشرکین نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا معبود بنا لیا تھا۔ حالانکہ وہ اللہ کی بھی عبادت کرتے تھے، اللہ کے گھر کا طواف کرتے اور اللہ کو اپنا خالق و مالک سمجھتے تھے۔ مشرکین مکہ ہی نہیں بلکہ تمام مشرکین کا یہی دتیرا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی بھی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کی اس شراکت کی بنا پر ہی وہ مشرک ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کا حکم خالص اپنی بندگی کا ہے:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾

[البینۃ: ۵]

”اور ان کو اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اس حال میں کہ اس کے لیے دین کو خالص

﴿كَلَّا سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ

ضِدًّا﴾ [مریم: ۸۲]

”ہرگز ایسا نہیں ہوگا، عنقریب وہ ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور ان کے خلاف مد مقابل ہوں گے۔“

دنیا میں یہ جو ان کے اولیاء بنے ہوئے تھے مگر آج بھی ان کے اعداء ہوں گے کہ یہ ہماری پوجا پاٹ نہیں کرتے تھے بلکہ شیطانوں کے ہاتھوں چڑھے ہوئے تھے۔ یہ وہ ہوں گے جو ان کو اپنی پوجا پاٹ سے روکتے تھے اور ان کے اس مشرکانہ فعل سے نالاں تھے۔ مگر جو اس سے خوش ہوتے، انھیں تھکیاں دیتے اور اپنی ہمدردیاں جتلاتے تھے وہ اپنے عبادت گزاروں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے:

﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَرَدُونَ ۝ لَوْ كَانَ هَؤُلَاءِ إِلَهًا مَا وَرَدُوهَا وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ۝﴾ [الأنبياء: ۹۸، ۹۹]

”بے شک تم اور جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، جہنم کا ایندھن ہیں، تم اس میں داخل ہونے والے ہو۔ اگر یہ معبود ہوتے تو اس میں داخل نہ ہوتے اور یہ سب اسی میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔“

ان کی یہ ساری پوجا پاٹ اور نذریں نیازیں اس لیے ہیں کہ وہ مدد کریں اور مشکل میں کام آئیں گے حالانکہ وہ خود اپنے نفع و نقصان کے مالک و مختار ہیں اور نہ ہی تمھیں نفع پہنچانے کے مجاز ہیں۔ چنانچہ عیسائی جنھوں نے (معاذ اللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا سمجھ کر اپنا معبود بنا رکھا تھا، ان کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے بالآخر یہ بھی فرمایا ہے:

﴿قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَبْلُغُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝﴾ [المائدہ: ۷۶]

”کہہ دے: کیا تم اللہ کے سوا اُس کی عبادت کرتے ہو جو تمھارے لیے نہ کسی نقصان کا مالک ہے اور نہ نفع کا اور اللہ ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔“

کرنے والے۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا كَانَ لَهُ

خَالصًا وَابْتِغَى بِهِ وَجْهَهُ .))

(نسائی، رقم الحديث: ۳۰۸۹)

”بے شک اللہ تعالیٰ کسی عمل کو قبول نہیں کرتے مگر یہ کہ وہ

خالص اسی کے لیے ہو اور اس سے اس کی رضا مقصود ہو۔“

اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ کوئی شریک گوارا نہیں، نہ اپنی عبادت میں

اور نہ دیگر معاملات میں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث

قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءَ عَنِ الشُّرْكِ، مَنْ عَمِلَ

عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِيَ غَيْرِي تَرَكْتَهُ وَشُرَكَهُ .“

(صحیح مسلم، رقم الحديث: ۲۹۸۵)

”میں شرکاء سے بے نیاز ہوں، جس نے کسی عمل میں میرے

ساتھ کسی کو شریک بنایا میں نے اسے اور اس کے شرک کو رد

کر دیا۔“

طبرانی اوسط (۲۷۷۷) کے الفاظ ہیں:

”فَأَنَا مِنْهُ بَرِيءٌ، وَهُوَ لِلَّذِي أَشْرَكَ .“

”میں اس سے بیزار ہوں اور وہ عمل اسی کے لیے جسے اس

نے شریک بنایا۔“

ریا کی مذمت کے بارے مزید احادیث پیش نظر رہیں تو ان سے

اس کی خوب وضاحت ہو جاتی ہے۔ اس لیے جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ

کسی کو شریک بنالیا گیا تو اس نے گویا اللہ کی خالص عبادت نہیں کی بلکہ

اس شریک کی عبادت کی ہے۔ اسی لیے مشرک دراصل اللہ کا عبادت

گزار نہیں ہوتا، ”مَنْ دُونَ اللَّهِ“ کا عبادت گزار ہوتا ہے۔ اور ایسا

عمل اللہ کے ہاں مردود ہے۔ وہ عبد اللہ و عبد الرحمن نہیں بلکہ

عبد الطاغوت ثابت ہوا ہے۔

﴿لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ﴾ نہ صرف یہ کہ وہ کسی کی مدد

کرنے کے مالک و مختار نہیں بلکہ وہ ان کی مدد کرنے کی بھی استطاعت

نہیں رکھتے۔ وہ اس پوزیشن میں نہیں کہ کسی کی مدد کر سکیں۔ ارشاد باری

تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ مَنْ يَكْفُلُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَنِ بَلْ

هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُعْرِضُونَ ۝ أَمْ لَهُمْ آلِهَةٌ

تَمْنَعُهُمْ مِنْ دُونِنَا لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنْفُسِهِمْ وَ

لَا هُمْ مِنَّا يُضْعَبُونَ ۝﴾ [الأنبياء: ۴۲، ۴۳]

”کہہ: کون ہے جو رات اور دن میں رحمان سے تمہاری

حفاظت کرتا ہے بلکہ وہ اپنے رب کے ذکر سے منہ پھیرنے

والے ہیں۔ یا ان کے لیے ہمارے سوا کوئی اور معبود ہیں جو

انہیں بچاتے ہیں؟ وہ نہ خود اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں اور

نہ ہماری طرف سے ان کا ساتھ دیا جاتا ہے۔“

یعنی اگر اللہ رحمن تمہیں رات یا دن کے کسی حصے میں اپنی گرفت

میں لینا چاہے تو کسی کی کیا مجال ہے کہ وہ تمہارے بچانے میں کام

آ سکے۔ کسی کو کیا وہ تو اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے اور نہ ہمارے مقابلے

میں ان کا کوئی ساتھ دے سکتا ہے۔ جب ہم کسی کے بارے میں فیصلہ

کر لیتے ہیں تو نہ کوئی معبود انہیں بچا سکتا ہے اور نہ کوئی ان کا محافظ

انہیں ہمارے فیصلے سے محفوظ رکھ سکتا ہے بلکہ وہ معبود خود اپنی حفاظت

نہیں کر سکتے۔ اور جب ہماری جانب سے ان کی حفاظت نہیں ہوتی تو

ان کے محافظین بھی اپنے معبودوں کو نہیں بچا سکتے تو وہ تمہیں کیونکر بچا

سکتے ہیں۔

ایک اشکال کا جواب:

یہاں عموماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مشرکین جب غیر اللہ سے مدد

طلب کرتے ہیں اور اپنی حاجات کے لیے انہیں پکارتے ہیں تو انہیں

ان کا مطلوب حاصل ہو جاتا ہے اور ان کی ضرورت و حاجت پوری

ہو جاتی ہے۔ یہ بہ ظاہر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے منافی ہے کہ ”وہ

ان کی مدد کی استطاعت نہیں رکھتے۔“ اور مشرکین یہی سمجھتے ہیں کہ

ہمارے حضرت صاحب نے ضرورت پوری کر دی ہے۔

رکھتا ہے:

”أنا عند ظن عبدي بي .“

یعنی میں اپنے بندے کے اس گمان کے مطابق ہوتا ہوں جو وہ میرے بارے رکھتا ہے۔

جسے اللہ پر بھروسہ نہیں اللہ اسے اس کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے۔

﴿وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحَضَّرُونَ﴾ ”اور یہ ان کے لشکر ہیں جو

حاضر کیے ہوئے ہیں۔“ اس کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں:

۱:..... ایک یہ کہ ﴿وَهُمْ﴾ سے جھوٹے معبود ہیں اور ﴿لَهُمْ﴾

سے ان کے جان نثار اور عبادت گزار مراد ہیں، یعنی یہ معبود اپنے

مشرکوں کے ساتھ اللہ کے ہاں حاضر کیے جائیں گے۔

﴿مُحَضَّرُونَ﴾ کے لفظ سے عیاں ہے کہ انھیں مجرموں کی صورت

میں فرشتے دربارِ الہی میں حاضر کریں گے تو ان کے اجتماع میں ان کے

جھوٹے معبودوں کو بھی حاضر کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت

دونوں کے لیے شرمندگی اور ندامت میں مزید اضافے کا باعث بنے

گی کہ ہم نے دنیا میں ایک دوسرے کے بارے میں کیا سمجھ رکھا تھا اور

آج ہم کس پوزیشن میں ہیں۔ اسی حقیقت کا بیان سورہ انبیاء (آیت:

۹۸، ۹۹) میں ہوا ہے جسے ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔ سورہ الصافات

میں بھی ہے:

﴿أَحْشَرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا

يَعْبُدُونَ ۝ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَاهْدَوْهُمْ إِلَى صِرَاطِ

الْحَجِيمِ ۝ وَقَفُّوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ ۝ مَا لَكُمْ لَا

تَنصَرِفُونَ ۝﴾ [الصافات: ۲۲-۲۵]

”اکٹھا کرو ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا اور ان کے جوڑوں

کو اور جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے۔ اللہ کے سوا، پھر

انھیں جہنم کی راہ کی طرف لے چلو۔ اور انھیں ٹھہراؤ، بے

شک یہ سوال کیے جانے والے ہیں۔ کیا ہے تمھیں، تم ایک

دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟“

گویا جہنم کی طرف لے جاتے ہوئے ان کی مزید توبیخ اور تفضیح

مگر حقیقت یوں نہیں۔ حاجت برآری کرنے والا، مصائب سے

بچانے والا، شفا دینے والا، اولاد عطا کرنے والا تو اللہ تبارک و تعالیٰ ہی

ہے اور یہ جو مشرک کے عمل کے نتیجے میں اس کا مقصد پورا ہوتا ہے یہ

اللہ تعالیٰ کی آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی اسبابِ معصیت کو آسان بنا

کر بھی اپنے بندے کی آزمائش کرتا ہے کہ یہ گناہ سے بچتا ہے تو کیا مجھ

سے ڈرتے ہوئے بچتا ہے یا عدم قدرت کی بنا پر بچا ہوا ہے۔ یہود کو

یومِ سبت کے احترام کا حکم تھا۔ مگر آزمائش کے لیے ہفتے کے روز

مچھلیاں پانی کے اوپر آ جاتیں، دوسرے ایام میں ایسا نہیں ہوتا ہے۔

یہود اس آزمائش پر پورے نہ اترے، ایک حیلے سے ہفتے کے روز کا

احترام نہ کیا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہوئے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حالتِ احرام میں شکار حرام قرار دیا تو اس پر

صحابہ کرام کو آزمایا گیا، چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ

الصَّيْدِ تَنَالُهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن

يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ فَمَنِ اغْتَذَىٰ بِذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ

إِلَيْمٌ ۝﴾ [المائدة: ۹۴]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یقیناً اللہ تمھیں شکار میں سے

کسی چیز کے ساتھ ضرور آزمائے گا جس پر تمھارے ہاتھ اور

نیزے پہنچتے ہوں گے تاکہ اللہ جان لے کون اس سے بن

دیکھ ڈرتا ہے، پھر جو اس کے بعد حد سے بڑھے تو اس کے

لیے دردناک عذاب ہے۔“

حالتِ احرام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے شکار آتا مگر وہ اس

آزمائش پر پورے اترے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ مشرکین کو ان کی

حاجات کے حوالے سے آزماتا ہے کہ وہ میرے ساتھ مخلص ہیں یا

میرے ساتھ شریک بنانے پر اڑے رہتے ہیں۔ حاجت برآری تو بت

پرستوں کی بھی ہوتی تھی اور ہوتی ہے تو کیا بس اس بنا پر ان کے شرک کو

سندِ جواز دے دی گئی ہے اور اسے درست قرار دیا گیا؟ ہرگز نہیں۔ اللہ

اپنے بندے سے وہی معاملہ کرتا ہے جیسا وہ اللہ تعالیٰ پر گمان و یقین

کے لیے کہا جائے کہ دنیا میں تو تمہاری اللہ کے سوا اپنے معبودوں سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں، آج ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر معبود کے ساتھ اس کے پیروکاروں کے الگ الگ جتھے ہوں گے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ظالموں کی الگ الگ ٹولیاں ہوں گی، سودخوروں کا گروہ الگ ہوگا، زنا کرنے والوں کا الگ اور شراب نوشوں کا الگ ہوگا۔ (فتح القدیر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ سب انسانوں کو ایک میدان میں جمع کریں گے، پھر فرمائیں گے:

”أَلَا يَتَّبِعُ كُلُّ إِنْسَانٍ مَا كَانُوا يَعْبُدُونَ“

”خبردار! ہر انسان جس کی عبادت کرتا تھا وہ اس کے پیچھے جائے۔“ چنانچہ صلیب کے پجاری کے لیے صلیب، بت پرستوں کے لیے ان کے بت اور آتش پرستوں کے لیے آگ پیش کی جائے گی اور جو جس کی پوجا کرتے تھے ان کے ہم راہ ہوں گے۔“ (ترمذی، رقم الحدیث: ۲۵۵۷، وقال: حسن صحیح، احمد: ۲۳۶۸ وغیرہما)

اور یہ صورت بھی دراصل ان کی فضیحت میں اضافے کے لیے ہو گی تاکہ ہر ایک دیکھ لے کہ کون کس کے ساتھ ہے۔

۲:..... دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ﴿وَهُمْ﴾ سے مشرکین اور ﴿لَهُمْ﴾ سے ان کے معبود مراد ہیں، یعنی یہ مشرک ان کے جتھے اور لشکر ہیں۔ ان کے دربار اور استھان ان کے معبودوں کے مزاروں سے روشن اور آباد ہیں۔ یہی ان کی بارگاہیں سجانے والے ہیں اور ان کے پروپیگنڈا کے سیکرٹری ہیں۔ ان کا دفاع اور ان کی حمایت میں یہ لڑتے ہیں تب کہیں ان کی خدائی چلتی ہے۔ جیسے نمرود اور اس کے ہم نواؤں نے کہا تھا:

﴿قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ﴾ [الأنبياء: ۶۸]

”انھوں نے کہا: اسے جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم (کچھ) کرنے والے ہو۔“

سرداران مکہ بھی جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کی اس بات پر متعجب ہوئے کہ بس ایک ہی معبود بناؤ الا تو ناراض ہو کر چل دیے اور کہنے لگے:

﴿وَأَنْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَى آلِهَتِكُمْ إِنَّ هَذَا لَكُنْشَىٰ يَٰيُرَادُ﴾ [ص: ۶]

”اور ان کے سردار لوگ چل کھڑے ہوئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر ڈٹے رہو، یقیناً یہ تو ایسی بات ہے جس کا ارادہ کیا جاتا ہے۔“

اس لیے ان معبودوں نے کیا کسی کی مدد کرنی ہے الما لشکروں کے لشکر ان کے مددگار بنے ہوئے ہیں اور ان کے دربار سجا رہے ہیں۔ ﴿فَلَا يَحْزَنُكَ قَوْلُهُمْ﴾ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے لیے تسلی اور حوصلہ افزائی ہے کہ یہ مشرکین جب اپنے منعم حقیقی کے ناشکرے واقع ہوئے ہیں اور ایک معبود کی عبادت کی دعوت پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں، آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے ہوئے آپ ﷺ کو شاعر، مجنون اور کاہن کہتے ہیں تو اس سے آپ ﷺ کو دل برداشتہ اور غم زدہ نہیں ہونا چاہیے۔ آپ ﷺ کے خلاف ان کی یہ سب زبان درازیاں میری وجہ سے ہیں، وہ جب مجھے نہیں پہچانتے اور میری عظمت کا اعتراف نہیں کرتے تو آپ ﷺ کے خلاف ان کی بیہودگی پر آپ ﷺ کو غم زدہ نہیں ہونا چاہیے۔

﴿إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ﴾ ”ہم جانتے ہیں جو وہ چھپاتے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔“ یہ جملہ متنافہ ہے۔ پہلے ﴿قَوْلُهُمْ﴾ پر وقف لازم ہے۔ اور اس میں بیان ہے کہ کفار مکہ ظاہری طور پر آپ ﷺ کی دعوت کو کمزور کرنے کے لیے جو الزام تراشیاں کرتے ہیں اور جو ہتھکنڈے اختیار کیے ہوئے ہیں ہم اس سے بخوبی واقف ہیں اور نجی مجلسوں میں جو سرگوشیاں کرتے ہیں اور نت نئے محاذ کھولنے کی سازشیں کرتے ہیں اسے بھی ہم جانتے ہیں۔ جیسے ایک اور مقام پر فرمایا:

مجلسوں میں تسلیم کرتے ہیں کہ آپ ﷺ شاعر نہیں اور جو الزام تراشیاں کرتے ہیں وہ بھی بے بنیاد ہیں۔

ایک یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ جو عقائد فاسدہ ان کے دلوں میں ہیں اور جن افعال قبیحہ کے یہ مرتکب ہیں ہم انھیں اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان کی یہ باطل پرستی اور آپ ﷺ کے خلاف یہ ہرزہ سرائی دیر تک چل نہیں سکے گی۔ آپ ﷺ مطمئن رہیں اور اپنے کام سے کام رکھیں، ہم خود ہی ان سے نپٹ لیں گے۔

﴿يُسْرُونَ﴾ یہ ”الاسرار“ سے ہے اور اعلان کی ضد ہے۔ اس سے مراد راز کی بات یا بات کو چھپانا ہے۔ یہ ”اسرار“ ایک انسان کا بھی ہوتا ہے اور ایک جماعت کا بھی کہ وہ باہم ایک بات طے کریں اور اس کا کسی سے اظہار نہ کریں۔ یہاں ”اسرار“ سے یہ دونوں فرداً فرداً اور ان کی اجتماعی سازشیں مراد ہیں۔ جس میں شدید وعید ہے کہ تم میں سے ہر ایک کی اداؤں سے اور تمہاری پلاننگ سے ہم آگاہ ہیں جس کا انجام وہ قیام کے دن پالیں گے۔

﴿وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ﴾

[القصص: ۶۹]

”اور تیرا رب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔“

ایک جگہ فرمایا:

﴿قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تَخْفَىٰ

صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ﴾ [آل عمران: ۱۱۸]

”ان کی شدید دشمنی تو ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی ہے

اور جو کچھ ان کے سینے چھپا رہے ہیں وہ زیادہ بڑا ہے۔“

گویا اس میں منافقین و مشرکین کے لیے تہدید و سرزنش ہے کہ ہم تمہارے ہر قسم کے کروتوتوں سے باخبر ہیں۔

اور اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ یہ اعلانیہ تو آپ ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں اور آپ ﷺ کی دعوت کو دبانے اور لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے آپ ﷺ کو شاعر و دیوانہ کہتے ہیں۔ مگر نجی

”دیر“ کے علاقے میں قرآن و سنت کی روشنی

فوری طور پر 5 لاکھ
کی اشد ضرورت ہے۔

2 کنال پر مشتمل جامعہ محمدیہ اہل حدیث (دیر شہر)
تعمیر کے آخری مراحل میں ہے۔ آپ بھی اپنا حصہ ڈالیں۔

رقم یا میٹرل کی صورت میں ضرورت تعاون کریں۔

مخائب جامعہ محمدیہ اہل حدیث:

AC No: 1639-3 ABL Dir 0622

0303-8623643

0342-9638213

حاجی گل عارف
عبد الغفار بٹواری
0302-5996989 0334-9325582

غنية القاري

ترجمة

ثلاثيات البخاري

تأليف: إمام المفسرين ، زبدة المحدثين
محبي السنة نواب والا جاء صديق الحسن خا

تسبيل: حافظ محمد اشرف سعيد

۲۰۔ بیسویں ثلاثی حدیث:

”ذكره البخاري في ”باب السن بالسن“ من
”كتاب الديات“ التي ذكرت في الربع
الرابع ، هكذا حدثنا محمد بن عبد الله
الأنصاري قال: ثنا حميد عن أنس أن ابنة
النضر لطمت جارية فكسرت ثنيتها فأتوا
النبي ﷺ فأمر بالقصاص .“
”اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ”كتاب الديات“ چوتھے
ربع، ”باب: دانت کے بدلے دانت“ میں ذکر کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا: حدیث بیان کی ہم کو محمد بن عبد اللہ
انصاری نے، انصاری نے کہا: حدیث بیان کی ہم کو حمید
نے، حمید نے حضرت انس سے روایت کی، وہ بیان کرتے
ہیں کہ نضر کی بیٹی نے ایک عورت کو طمانچہ مارا تو اس کے اگلے
دو دانت ٹوٹ گئے۔ اس کی قوم کے لوگ نبی اکرم ﷺ کی
خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے قصاص کا حکم دیا۔“
فائدہ: اس مضمون کی حدیث مع حکم کے پہلے گزر چکی ہے۔

۲۱۔ اکیسویں ثلاثی حدیث:

”أخرجه البخاري في ”باب من بايع مرتين“
من ”كتاب الأحكام“ المذكورة في الربع
الرابع ، هكذا حدثنا أبو عاصم عن يزيد بن
أبي عبيد عن سلمة: قال بايعنا النبي ﷺ
تحت الشجرة ، فقال لي: ((يا سلمة!
ألا تباع؟)) فقلت: يا رسول الله! قد بايعت

في الأول ، فقال: ((وفي الثانية .))“
”اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ”كتاب الأحكام“ ربع
رابع، ”باب: جس نے دو مرتبہ بیعت کی“ میں بیان کیا ہے۔
امام بخاری نے کہا: حدیث بیان کی ہم کو ابو عاصم نے، ابو عاصم
نے کہا: حدیث بیان کی ہم کو یزید بن ابی عبید نے، یزید نے
سلمہ بن اکوع رحمہ اللہ سے روایت کی، انھوں نے کہا: ہم نے نبی
اکرم ﷺ سے درخت کے نیچے بیعت کی تو پھر آپ ﷺ
نے فرمایا: ”اے سلمہ رحمہ اللہ! کیا تو بیعت نہیں کرتا؟“ میں نے
عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں تو پہلے ہی بیعت کر چکا
ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوسری بار بھی کر لو۔“

فائدہ: یہ حدیث بہ اختلاف الفاظ و رجال گیارہویں ثلاثی حدیث
کے مثل ہے۔ اور مراد درخت سے وہ ہے جو حدیبیہ میں تھا۔ اس کے
متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ راضی ہوا اُن مومنوں سے جنھوں نے بیعت کی
آپ ﷺ سے درخت کے نیچے۔“
اور اس بیعت کا نام بیعت الرضوان ہے۔

حضرت عمر فاروق رحمہ اللہ نے اپنے دور کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس
کو متبرک سمجھتے اور اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ حضرت عمر رحمہ اللہ کو خطرہ
محسوس ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ ان آثارِ انبیاء کی پوجا اور شرک و بدعت
میں گرفتار ہو جائیں، اس خوف سے اس درخت کو جڑ سے کاٹ کر
پھینک دیا۔ اور مراد اوّل سے زمانہ اوّل ہے یا گروہ اوّل یا ساعت
اوّل ہے۔

اور اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ تکرار بیعت کے لیے تاکید کرنا اسے جو بیعت کر چکا ہے، درست ہے۔ بلکہ پہلی بیعت ختم ہونے پر دو یا تین اشخاص سے بیعت کرنا بھی درست ہے۔ جس طرح صحابہ نے بیعت کی بعد وفات خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے، پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے۔ اور تکرار بیعت صوفیاء کے نزدیک بھی متداول ہے جس طرح کہ ابو عثمان خیری قدس سرہ کے تین پیر تھے: ایک یحییٰ بن معاذ، دوسرے شاہ شجاع کرمانی اور تیسرے ابو حفص حداد۔

اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے دو بیعت کیں: پہلی اپنے باپ امام باقر رضی اللہ عنہ سے، پھر قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے۔ اور اسی طرح شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رضی اللہ عنہ نے پہلی بیعت اپنے نانا شیخ رفیع الدین سے، پھر دوسری بیعت سید عبداللہ اکبر آبادی سے کی۔



ابو ہریرہ شریعہ کالج میں داخلہ لیجیے

حضرات اس سچائی سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ملک میں یہ واحد ادارہ ہے جس میں 1997ء سے درس نظامی کے ساتھ لازمی (Compulsary) ایف۔ اے، بی۔ اے کروایا جاتا ہے۔

داخلہ 20 اپریل تا 15 مئی

میرٹ: میٹرک۔ تاہم میٹرک کا امتحان دینے والے طلباء داخلہ لے سکتے ہیں البتہ قبل ہونے کی صورت میں طالب علم کو فارغ کر دیا جائے گا۔
سہیلیات: تعلیم، رہائش، کھانا فری تاہم درس نظامی اور کالج کی کتب طالب علم کے ذمہ ہونے کے ساتھ اسے استعداد کے مطابق کچھ ماہانہ زرقعوان جمع کروانا ہوگا۔ تاکہ مفت خوری سے اجتناب اور طلباء میں خودداری پیدا ہو سکے۔

نصاب شریعہ کالج

سال اول: ترجمہ القرآن سورۃ الفاتحۃ الاعراف، مشکوٰۃ اول، علم النحو، علم الصرف، ابواب الصرف، دروس اللغة العربیہ (دو حصے) تجوید القرآن، قرأت النصاب بطریق لاہور بورڈ
سال دوم: ترجمہ القرآن سورۃ الاعراف تا النمل، مشکوٰۃ ثانی، تفسیر شرح مائتہ عامل، کتاب الصرف، الطیب الخ، معلم الانشاء (دو حصے) تجوید القرآن، سیکٹا نصاب بطریق لاہور بورڈ
سال سوم: ترجمہ القرآن، مسلم شریف، ترمذی شریف، ہدایہ الخ، علم الصیغہ، السراجی، شرح نخبة الفکر، تجوید القرآن، تفسیر النصاب بطریق پنجاب یونیورسٹی
سال چہارم: بخاری شریف، ہدایہ، الوجیز، شرح ابن عقیل، الفوز الکبیر، تجوید القرآن، نور تھانیر نصاب بطریق پنجاب یونیورسٹی

شریعہ کالج کے امتیازات: کما بن نصاب تعلیم کا بانی، تفسیر فہم القرآن اور دیگر کتب کا ناشر، تحریک دعوت و حید کا محرک

منفرد تفسیر: فہم القرآن

تفسیر کی انفرادیت: 1۔ اردو، عربی تفسیر کے اہم نکات پر مشتمل تفسیر 2۔ محاورہ اور لفظی ترجمہ۔ 3۔ بہت سی تفاسیر سے زیادہ ربط کلام کا اہتمام۔ 4۔ ہر آیت میں پائے جانے والے مسائل کا ترتیب وار بیان۔ 5۔ ہر آیت کے مرکزی مضمون کی تفسیر دیگر آیات کے حوالوں سے جو ایک مکمل تقریر ہے۔ قیمت فی جلد: 700/ مہل سیٹ 6 جلدیں: 4200/ روپے

0332-8010901/042-35417233
0302-4235662/0302-8356065

میاں محمد جمیل پرنسپل، ابو ہریرہ شریعہ کالج 37 کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

اللہ اور اس کی توحید

توفیق احمد

﴿يُصَاحِبِي السَّجْنَءَ أَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللّٰهُ
الْوَّاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ [يوسف: ۳۹]
”اے قید کے دونوں ساتھیو! کیا متفرق رب بہتر ہیں یا اللہ
واحد قہار؟“

یہ وہ لازوال حقیقت ہے جسے اُجاگر کرنے کے لیے انبیائے کرام
کی بعثت ہوئی اور یہ وہ غیر فانی حقیقت ہے جو انسان کی فطرت میں
ودیعت کر دی گئی ہے۔ چند گنے چنے افراد کے سوا ہر دور میں خدا کا
تصور انسان کا عقیدہ رہا ہے۔ دنیا بہت کچھ بھوتی رہی، شرم وحیا
فراموش کر گئی، انسانیت کا بنیادی جوہر ہاتھ سے دے بیٹھی لیکن خدا کا
خیال اور اللہ پر اعتماد اس کے دل و دماغ سے محو نہ ہوسکا۔ یہ بات صحیح
ہے کہ ہر دور میں ملحدین و منکرین کا سلسلہ بھی رہا ہے لیکن توحید کو اس
کے باوجود فطرت کی لازوال حقیقت اس لیے کہا گیا ہے کہ چند سر
پھرے حضرات کے انکار کی وجہ سے سورج کی طرح روشن اور
تاب ناک سچائی جھٹلائی نہیں جاسکتی۔ چند بیمار اگر اپنے منہ کی
کڑواہٹ اور ذائقے کی خرابی کے باعث ایک لذیذ کھانے کو بد مزہ
سمجھنے لگیں تو ہم کھانے کی لذت کا انکار کرنے کے بجائے اسے مریض
جان کر درخور اعتنا نہیں سمجھیں گے۔

بعینہ اسی طرح آج کے دور کے روحانی مریض اگر خدا کے وجود کا
انکار کرتے ہیں تو یہ بات خود ان کے بطلان کی واضح دلیل ہے، اس
سے عقیدہ توحید کی صداقت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔
اور یہ بات کہ ”توحید انسانی فطرت کی آواز ہے“ قرآن مجید کے
اس بیان کردہ واقعے سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ روز ازل وحدہ لا
شریک نے انسان سے سب سے پہلا جو سوال کیا تھا وہ یہ تھا:

توحید کے معنی میں خدا کو ایک جاننا اور یہ سمجھنا کہ خدا ہی کہ وہ
تن تنہا ذات ہے جس کی پوجا و پرستش کی جاسکتی ہے اور اس کے ماسوا
کے آگے سر جھکانا جائز نہیں ہے۔

یہی وہ توحید ہے جس کی دعوت رہبر کامل جناب محمد رسول اللہ
ﷺ تک جتنے بھی انبیائے کرام ﷺ جلوہ افروز ہوئے انھوں نے
سب سے پہلے دی:

﴿أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾

”اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو۔“

آسمانی تعلیمات کا یہی وہ نقطہ ہے جس کو ہر نبی اور ہر رسول کی
دعوت میں اصل الاصول اور مقصد المقاصد کی حیثیت حاصل رہی ہے۔
حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت ہود علیہ السلام نے جب اپنی اپنی قوم کو
پکارا تو سب سے پہلے اسی کی آواز دی:

﴿يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ﴾

[الأعراف: ۸۵، ۶۵]

”اے میری قوم! تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا
تمہارا کوئی معبود نہیں۔“

حضرت نوح علیہ السلام جب اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تو ان کا
اولین پیغام یہی تھا:

﴿إِنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقَوْهُ وَأَطِيعُوا أَمْرًا﴾ [نوح: ۳]

”اللہ کی عبادت کرو، اسی سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔“

حضرت یوسف علیہ السلام کو جب قید خانے میں تبلیغ دین کا موقع ملا تو
جیل کے ساتھیوں کو انھوں نے سب سے پہلے جو حیات افروز درس دیا
وہ یہی تھا:

آج کل نعوذ باللہ کچھ نادان، جن کا عقل سے کوئی واسطہ نہیں، کہتے ہیں کہ سرے سے وجود باری تعالیٰ ہی خلاف عقل ہے۔ ان کی نظر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے اس جواب پر پڑنی چاہیے جو انھوں نے ایک ملحد کو دیا تھا۔

ملحد نے پوچھا تھا کہ خدا کے وجود کی کیا دلیل ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ یہ سامنے والا شہوت کا درخت ہے۔ وہ حیران ہو کر بولا: کس طرح؟ امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کے پتے دیکھو، بظاہر کتنے حقیر معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کی گونا گوں خاصیتوں پر نگاہ ڈالی جائے تو انسان ورطہ حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔ ان پتوں کو ہرن کھاتا ہے تو مشک بن جاتا ہے، مکی کھاتی ہے تو شہد بن جاتا ہے، کیڑا کھاتا ہے تو ریشم بن جاتا ہے اور انھی پتوں کو جب بکری کھاتی ہے یہ میگنیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ بات عقل میں آتی ہے کہ ان حقیر پتوں میں یہ متنوع خصوصیات آپ سے آپ آگئی ہیں اور کوئی ان کا پیدا کرنے والا نہیں ہے.....!!!

﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ [الأعراف: ۱۷۲] ”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟“ تو اس کے جواب میں انھوں نے کہا تھا: ﴿بَلٰی شَهِدْنَا﴾ [الأعراف: ۱۷۲] ”کیوں نہیں! ہم گواہ ہیں۔“ قرآن کریم نے یہ بھی بتلایا ہے کہ یہ سوال وجواب اس لیے کیا گیا تھا کہ مستقبل میں یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں اس کی خبر ہی نہ تھی۔

یہ ہے توحید کا عظیم الشان عقیدہ جس کا ہم نے اقرار کیا اور روزِ اوّل میں اپنے مالک حقیقی سے بیان وفا باندھا۔ کتنی افسوس ناک ہے یہ بات کہ آج انسان فطرت کی لازوال حقیقت کو بھلا کر اپنے لیے ہلاکت و بربادی کا راستہ ہموار کر رہا ہے اور ہم مسلمان کتاب و سنت کے شیدائی جو نعرہ توحید بلند کر رہے تھے کہ۔

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا
آج خود توحید حقیقی کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے ہیں۔
فطرت کا وہ پیمان وفا یاد نہیں ہے
فریاد کہ دنیا کو خدا یاد نہیں ہے

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور کی طرف سے اہم اعلان

اہل حدیث کے امتیازی مسائل پر مشتمل مکمل سیٹ مفت منگوائیں

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور کی طرف سے اہل حدیث کے امتیازی مسائل پر مشتمل فورکھر خوب صورت اور مدلل سات اشتہار کا درج ذیل سیٹ مفت زیر تقسیم ہے:

رابطہ بذریعہ فون
صبح 7 بجے سے
10 بجے تک

①..... کیا اللہ کے سوا کوئی اور مشکل حل کرنے پر قادر ہے؟ ایک سوال کی دس شکلیں!

②..... نماز میں پاؤں سے پاؤں ملائے اور سینے پر ہاتھ باندھنے کا ثبوت!

③..... نماز، روزہ کے عمری دائمی اوقات! ④..... اہمیت نماز اور بے نماز کا انجام! ⑤..... سورہ فاتحہ خلف الامام!

⑥..... نبی ﷺ سے آمین بالجہر کا ثبوت! ⑦..... اثبات رفع الیدین!

ملک بھر کی تمام مساجد اہل حدیث کے منتظمین حضرات مکمل سیٹ مفت منگوائیں اور فریم کروا کر اپنے زیر انتظام مساجد و دینی مراکز میں نمایاں جگہ پر آویزاں کریں۔
یہ اشتہارات مساجد و مراکز کی زینت اور مسائل حقہ کی ترویج کا بہترین و موثر ذریعہ ہیں۔ ڈاک خرچ ادارہ خود برداشت کرے گا۔

(مولانا) محمد یسین راہی مدیر ادارہ تبلیغ اسلام جام پور، ضلع راجن پور، پنجاب۔ پاکستان موبائل: 0333-8556473

اسلامی نظام معیشت کی خصوصیات

(مولانا) حافظ عبدالحمد ازہر رحمۃ اللہ علیہ، مکتب الدعوة، اسلام آباد

۷۔ دوام و شمولیت:

اسلامی نظام معیشت ازلی بھی ہے اور ابدی بھی، وقتی یا موسمی نہیں اور نہ ہی ہر دم متغیر نظریات کی طرح تبدیلی اور تراجم کا شکار ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہ تجربات و حوادث کے نتیجے میں وجود میں نہیں آیا بلکہ علیم وخبیر، خلاق ارض و سماء، عالم الغیب والشہادۃ کا نازل فرمودہ دین ہے جو انسان کی فطرت سے مطابقت رکھتا ہے:

﴿فَطَرَتِ اللّٰهُ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْہَا لَا تَبْدِیْلَ لِّخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیْمُ و لٰکِنْ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ [الروم: ۳۰]

”اللہ کی پیدا کردہ فطرت کو جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کرو)، اللہ کی تخلیق کردہ فطرت میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“ اور یہ نظام تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے، اس کے کسی طبقے کے لیے نہیں۔ اس میں عرب و عجم کا امتیاز ہے، نہ آجر و مستاجر کا اور نہ زمیندار اور کاشت کار کا بلکہ سب کے سب یکساں طور پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اوامر و نواہی کے مخاطب ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتِنَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغٰی یَعْظُمُ لَعَلَّکُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ [النحل: ۹۰]

”اللہ تمہیں عدل، احسان اور رشتہ داروں کو (مدد) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور نامعقول کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے اور تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔“ اور حضور معلّم بشریت مُرشدِ انسانیت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لا یبّیع المرء علی بیع أخیه ولا تناجشوا ولا یبّیع حاضر لباد .))

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۱۴۰)
”کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے، ایک دوسرے کو دھوکا نہ دو اور کوئی شہری کسی بدوی کے لیے سودا نہ کرے۔“

علاوہ ازیں قرآن و سنت کے الفاظ اور ان میں بیان شدہ اصول و ضوابط میں اتنی وسعت اور گہرائی ہے کہ کوئی جزئی اس سے باہر نہیں رہ جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ اختلاف رونما ہونے کی صورت میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولٰٓئِیْ الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلٰی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا﴾

[النساء: ۵۹]

”اے اہل ایمان! اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو اور جو تم میں سے اولوا الامر ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تمہارے درمیان اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی طرف رجوع کرو، یہ بات بہت اچھی ہے اور اس کا مال بھی اچھا ہے۔“

اگر کتاب و سنت میں ان اختلاف کا حل نہ ہو اور ان سے نکلنے کا راستہ نہ ہو تو یہ حکم عث اور بے معنی ہو جاتا ہے۔ واللہ وروسولہ

بریشان منہ .

اس بارے میں دو امور ہمیشہ ملحوظ رہنے چاہئیں، ان میں سے ایک تو فہمِ نصوص کا موہبہ الہیہ ہے جس کی طرف خلیفہ راشد رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ”إلا فہم یؤتیہ اللہ عزوجل رجلا فی القرآن .“ (صحیح بخاری: ۱۱۱، أحمد: ۷۹/۱) فرما کر اشارہ کیا۔ ان سے پوچھا گیا تھا کہ کیا آپ رضی اللہ عنہ لوگوں (اہل بیت) کے پاس کوئی خاص کتاب ہے؟ انھوں نے فرمایا: نہیں، سوائے اللہ کی کتاب کے یا پھر اُس فہم کے جو اللہ تعالیٰ کسی شخص کو قرآن کے متعلق عطا فرمادے۔

اور دوسرا یہ کہ نصوص قرآن حکیم اور سنت سنیہ نبویہ کی معجزانہ بلاغت۔ شیخ الاسلام ابو العباس احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”بل الصواب الذی علیہ الجمهور أئمة المسلمین أن النصوص وافیة بجمهور أحكام أفعال العباد وأنما أنکر ذلک من أنکرہ لأنه لم یفہم معانی النصوص العامة التی ہی أقوال اللہ ورسولہ ولشمولہا لأحكام أفعال العباد، وذلك أن اللہ بعث محمدا ﷺ بجوامع الکلم فیتکلم بالکلیة الجامعة العامة التی ہی قضیة کلیة وقاعدة عامة تتناول أنواعا كثيرة، وتلك الأنواع تتناول أعیانا لا تحصى .“

(مجموع الفتاویٰ الکبری: ۲۸۰ / ۱۹)

”درست بات وہ ہے جو جمہور ائمتہ المسلمین کا موقف ہے کہ نصوص (کتاب و سنت) انسانوں کے تمام افعال کے احکام کے لیے کافی و وافی ہیں۔ اس حقیقت کا انکار جس نے بھی کیا تو سبب یہ ہوا کہ وہ عام نصوص، یعنی اللہ تعالیٰ اور جناب رسول اللہ ﷺ کے فرامین کے معانی اور ان کے افعال العباد کے جملہ احکام پر مشتمل ہونے کے وصف کو سمجھنے سے

قاصر رہا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، چنانچہ وہ ایسا جامع لفظ بولتے ہیں جو کلیہ اور قاعدہ عامہ ہوتا ہے اور جو بہت سی انواع کو شامل ہوتا ہے اور یہ انواع ان گنت جزئیات کو حاوی ہوتی ہیں۔“

اس اصول کی وضاحت میں شیخ الاسلام رحمہ اللہ متعدد مثالیں ذکر کر کے فرماتے ہیں:

”ومن هذا الباب لفظ الربا فإنه يتناول كل ما نهى عنه من الربا النساء والفضل والقرض الذي يجبر منفعة وغير ذلك .“ (أيضاً: ۲۸۳)

”اس کی مثالوں میں ربا کا لفظ بھی ہے کہ ربا الفضل (اشیاء کی باہم کمی بیشی کے ساتھ خرید و فروخت)، ربا النسیئہ (مہلت کے عوض قرض کی رقم میں اضافہ کرنا) اور ہر ایسے فرض کو شامل ہے جس کے ساتھ فائدہ شرط ہو۔“

۸۔ مروت و ملائمت:

غیر متبدل اصول و مبادی پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام معیشت کی ایک خصوصیت اس کی مروت اور ملائمت بھی ہے اور یہ ہر طرح کے حالات میں مسائل کے حل اور احوال کے ساتھ مناسبت کی کامل صلاحیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم اور جناب رسول اللہ ﷺ نے جس قدر تاکید حلال کے اکتساب اور حرام سے اجتناب کی فرمائی ہے اسی قدر تاکید از خود کسی چیز کو حرام قرار دینے سے گریز کی کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنَّ كُنتُم مِّنْ عِبَادِهِ تُعْبَدُونَ﴾ [البقرة: ۱۷۲]

”اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ اور اگر صرف اسی کی عبادت کرنے والے ہو تو اس کا شکر بجالاؤ۔“

نیز فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ﴾

[البقرة: ۱۶۸]

”لوگو! جو چیزیں زمین میں حلال اور طیب ہیں وہ کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

اسی طرح فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحَرَّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿۱۶۸﴾

[المائدة: ۸۸، ۷۸]

”اے اہل ایمان! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو کہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جو حلال طیب روزی اللہ نے تم کو دی ہے اسے کھاؤ، اللہ سے ڈرتے رہو جس پر ایمان رکھتے ہو۔“

اور حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((الحلال ما أحل الله في كتابه والحرام ما حرم الله في كتابه، وما سكت عنه فهو مما عفا عنه.)) (ترمذی وابن ماجہ والحاکم عن سلمان)

”حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا اور جس سے سکوت اختیار کیا تو یہ وہ ہے جس سے عفو سے کام لیا۔“

اور معاملات میں اصل اباحت (جواز) ہے تاوقت کہ اس معاملے میں حرمت یا کراہت پر دلیل قائم ہو جائے، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”والأصل في هذا أنه لا يحرم على الناس من المعاملات التي يحتاجون إليها إلا ما

دل الكتاب والسنة على تحريمه كما لا يشرع لهم من العبادات التي يتقربون بها إلى الله إلا ما دل الكتاب والسنة على شرعه إذا الدين ما شرعه الله والحرام ما حرمه الله.

(الفتاوى الكبرى: ۲۸ / ۳۸۶)

”اس بارے میں اصل یہ ہے کہ انسانوں پر معاملات میں سے، انھیں جس کی ضرورت رہتی ہے، صرف وہی معاملات حرام ہوں گے جن کی حرمت پر کتاب و سنت میں سے دلیل قائم ہو۔ جس طرح کہ عبادات جو ان کے لیے حصول تقرب الہی کا ذریعہ ہیں، صرف وہ عبادات مشروع ہوں گی جن کی مشروعیت پر کتاب و سنت سے دلیل قائم ہو، اس لیے دین وہ ہے جسے اللہ شریعت قرار دے اور حرام وہ ہے جسے اللہ حرام قرار دے۔“

تاہم یہ ایک نازک مقام ہے۔ شریعت میں ملائمت اور مرونت کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اسے موم کی ناک بنا لیا جائے اور باب الحلیل چوہٹ کھول دیا جائے۔ مولانا و محمد و مناعطاء اللہ حنیف محدث بھوجیانی رحمۃ اللہ کی ایک طویل عبارت بہ طور تبرک نقل کرنے کو جی چاہتا ہے کہ اس سے بہتر اس مسئلہ کی وضاحت مشکل ہے اور یہ ”خیـــــر الکلام ما قل ودل“ کی بہترین مثال ہے۔ مولانا تحریر فرماتے ہیں:

”در اصل یہ مسئلہ بڑا ہی نازک ہے۔ بلاشبہ اس کی افادیت بہت زیادہ ہے لیکن مفاد پرست سیاست باز اپنی ہر بے دینی، عیاشی اور اقتصادی بے راہ روی کے لیے اس کو استعمال بھی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اسلامی ممالک کے الحاد پسند نہایت ہوشیاری سے ”صلاح و فلاح ملت“ اور ”روح اسلام“ کے لیبل لگا کر اسی ”اصول کی روشنی“ کی آڑ میں مفادی اور ظالمانہ سیاست کے لیے ”کھاد“ مہیا کر رہے ہیں۔ قاتلہم اللہ انی یؤفکون.

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ نے اس نزاکت کو شدید طور پر محسوس فرمایا اور لکھا ہے:

۹۔ واقعت و افادیت:

اسلام کا نظامِ معیشت صرف نظریہ نہیں اور افلاطون کے نظریے کی طرح صرف خیال نہیں بلکہ قرونِ مفضلہ میں کامل طور پر اور اس کے بعد بیشتر طور پر نافذ العمل رہا اور یہی وہ زمانہ ہے جب انسان اسلام کے نظامِ عدل کے سائے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ ایک زمانہ تھا جب کوئی شخص فوت ہوتا تو نبی رحمت ﷺ اس کے متعلق سوال فرماتے: ((هل عليه من دين؟)) ”اس کے ذمہ کوئی قرض ہے۔“ اگر اثبات میں جواب ہوتا تو پھر پوچھتے: ((هل ترك من وفاء؟)) ”قرض کی ادائیگی کا کوئی سامان کیا؟“ اگر اس کے ذمہ قرض کی ادائیگی کا سامان ہوتا تو اس کی نماز جنازہ پڑھاتے ورنہ کہتے: ((صلو علی صاحبکم۔)) ”تم خود ہی اس کی نماز جنازہ پڑھ لو۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے رزقِ امت وسیع کر دیا تو نبی اکرم ﷺ نے اعلان کروادیا:

((من ترك مالا فلورثته ومن ترك كلاً فإلینا۔)) (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۳۹۸)
”جو مال چھوڑ کر مرا تو اس کا مال اس کے وارثوں کے لیے ہے اور اگر کوئی محتاج عیال چھوڑ کر مرا تو اس کے ذمہ دار ہم ہیں۔“

اور امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی نظامِ معیشت کے فیوض و برکات اس طرح عام ہوئے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن کے صدقات جمع کرنے کے لیے مقرر ہوئے، وہاں انھوں نے نبی اکرم ﷺ کے ارشاد ((تؤخذ من أغنيائهم وترد علی فقرائهم)) ”زکاۃ ان کے اصحابِ ثروت سے وصول کی جائے گی اور ان کے محتاج افراد کی طرف لوٹا دی جائے گی“ کی تعمیل کی۔ تمام ضرورت مندوں میں تقسیم کے بعد بھی ایک تہائی مال بچ رہا، وہ انھوں نے دربارِ امارت میں پیش کر دیا تو امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے وصول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

”هذا موضع مزلة أقدام ومضلة أفهام وهو مقام ضنك في معترك صعب، فرط فيه طائفة فعطلوا الحدود وضيعوا الحقوق وجروا أهل الفجور علی الفساد..... وأفرط فيه طائفة فسوغت منه ما يناقض حكم الله.“

(أعلام: ۳۰۹ / ۴، بدائع: ۱۵۳ / ۳)

”یہ ایسا مقام ہے جہاں پاؤں پھلتے اور عقلیں گمراہ ہوتی ہیں، یہ تنگنائی اور انتہائی دشوار گزار کشمکش ہے۔ کچھ لوگوں نے تفریط سے کام لیا تو حدود کو معطل کرتے اور حقوق کے ضیاع کا سبب بنے اور انھوں نے اہل فحور کی حوصلہ افزائی کی۔ جب کہ ایک گروہ افراط کا شکار ہوا تو انھوں نے ایسا تشدد روا رکھا جو اللہ تعالیٰ کے احکام میں مضر حکمتوں کے منافی ہے۔“

حقیقت یہ ہے کہ یہ فیصلہ کرنا کہ فلاں کام ”صلاح سے قریب اور فساد سے دور ہے، اگرچہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی ہدایت نہیں دی ہے“ ہر کہہ و مدعا کا کام نہیں ہے۔ اگر کوئی حکومت نیک نیتی سے عصرِ حاضر کے تقاضوں کو کتاب و سنت کی روشنی میں پورا کرنا چاہتی ہے تو اس کو یہ کام ایک ایسی کمیٹی کے سپرد کرنا چاہیے جن کی نظر قرآنِ حکیم، حدیثِ نبوی، قضایا اور فتاویٰ صحابہ، مسالکِ ائمہ مجتہدین اور فقہی مکاتبِ فکر پر وسیع اور گہری ہونے کے باوصف موجودہ ضروریات کو خوب سمجھتی ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ بزرگ تعلق باللہ اور تقویٰ و تدین کی صفات سے متصف ہوں۔

اور حق یہ ہے کہ یہ آخری وصف اسلامی نظامِ سیاست و عدالت میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔“

(تعلیق حیات امام احمد بن حنبل ص: ۴۰۸)

((لم أبعثك جايبا ولا آخذ جذية ولكن بعثتك لتأخذ من أغنياء الناس فترد على فقرائهم .

”میں نے تمہیں مال اکٹھا کرنے یا جذبہ جمع کرنے کے لیے نہیں بھیجا تھا، میں نے تمہیں اس کام پر مقرر کیا تھا کہ ان کے مال دار لوگوں سے وصول کرو اور ان کے محتاج اور فقیر لوگوں تک پہنچا دو۔“

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

”ما بعثت إليك بشيء وأنا أجد أحدا يأخذه مني .

”میں نے یہ مال آپ کی طرف اسی وقت بھیجا کہ مجھے یہاں کوئی وصول کرنے والا نہیں مل رہا۔“

اس سے اگلے سال حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے صدقات کی مد میں موصول ہونے والے مال کا نصف بیت المال کے لیے ارسال کر دیا تو امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے پھر وہی بات کہی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے وہی جواب دیا۔

تیسرے سال یہ ہوا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن میں کوئی صدقہ وصول کرنے والا ملا ہی نہیں اور انھوں نے تمام جمع شدہ مال دار الخلافہ مدینہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ارسال کر دیا۔ خلیفہ ثانی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پھر کہا کہ میں نے تمہیں مال اکٹھا کرنے اور خراج وصول کرنے کے لیے متعین نہیں کیا تھا تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے پھر وہی جواب دیا:

”ما وجدت أحدا يأخذ مني شيئا .

(کتاب الأموال لأبي عبيد، ص: ۵۹۶)

گویا اسلامی نظام معیشت کی برکت سے غربت کی شرح تیزی سے کم ہوتے ہوئے معدوم ہو گئی۔

یہی نقشہ بنو امیہ کے دور حکومت میں قائم رہا، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جنہیں پانچواں خلیفہ راشد بھی کہا جاتا ہے، نے عراق

میں اپنے والی عبدالحمید بن عبدالرحمن کو خط لکھا:

”أخرج للناس أعطياتهم .

”لوگوں کو ان کے مقرر و وظیفے پہنچاؤ۔“

تو اس نے جواب میں لکھا سب کو ان کے مقررہ وظائف دینے کے بعد بھی بیت المال میں صدقات کا مال باقی ہے تو خلیفہ نے اس کو حکم دیا:

”انظر كل من أدا في غير سفه ولا سرف فاقض عنه .

”جائزہ لو کہ جس شخص نے بھی حماقت کی بنا پر قرض نہ لیا ہو اور نہ ہی فضول خرچی کی وجہ سے مقروض ہو گیا ہو تو اس کا قرض ادا کرو۔“

حاکم عراق عبدالحمید بن عبدالرحمن نے جواب دیا کہ اس طرح کے مقروضوں کا قرض بھی ادا کر دیا گیا ہے، تاہم بیت المال میں زائد مال بدستور موجود ہے۔ اس پر خلیفہ نے اسے لکھا:

”انظر كل بكر ليس له مال فشاء أن تزوجه فزوجه وأصدق عنه .

”اچھی طرح دیکھو کہ جو کوئی غیر شادی شدہ چاہتا ہو کہ تم اس کی شادی کرو اور تو اس کے نکاح کا اہتمام کرو اور اس کا حق مہر بیت المال سے ادا کرو۔“

اس نے جواب دیا:

”إني قد زوجت كل من وجدت .

”اس طرح کا جو آدمی بھی مجھے ملا اس کا نکاح کر چکا ہوں۔“

تو خلیفہ المسلمین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے حکم دیا:

”انظر من كانت عليه جزية فضعف عن

أرضه فأسلفه ما يقوي به على عمل أرضه ،

فإننا لا نريد لهم لعام ولا لعامين .“ (کتاب

الأموال لأبي عبيد قاسم بن سلام، ص: ۲۵۱)

(باقی صفحہ نمبر ۲۷ پر ملاحظہ کریں)

مسجد: حیاتِ انسانی کا مرکز

مولانا نور العین سلفی

سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ نماز اسلام کے ہر فرد، امیر و غریب، مرد و عورت، آزاد و غلام اور بیمار و تندرست سب پر فرض ہے۔ نماز کی پابندی کرنے کی صورت میں افراد کے اندر تقویٰ، تزکیہ نفس، اتحاد و اتفاق، خلوص و محبت، عقیدت و وحدت، اخوت و مروت اور شورا و اجتماعیت جیسی کریمانہ صفات پیدا ہوتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نماز کو تمام عبادتوں سے افضل ترین عبادت قرار دیا ہے۔ نماز اسلام اور کفر کے درمیان خط امتیاز اور حد فاصل ہے۔ جو مسلمان قصداً نماز ادا نہیں کرتا وہ کفر کی سرحد سے جا ملتا ہے:

﴿أَقِمْوَا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝﴾

[الروم: ۳۱]

”نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو۔“

یہی حقیقت حدیث پاک میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

((بين العبد وبين الكفر ترك الصلاة.))

”بندے اور کفر کے درمیان (حد فاصل) نماز کا ترک ہے۔“

حضرت عبداللہ بن شقیق فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز کے علاوہ کسی عمل صالح کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے:

”كان أصحاب رسول الله ﷺ لا يرون شيئاً

من الأعمال تركه كفر غير الصلاة.“

مسجد درحقیقت تعلق باللہ، بندگی محض، سپردگی کامل، خشوع و خضوع، توبہ و انابت اور روح و نفس کی پاکی و طہارت کا مقام ہے۔ نماز کی حالت میں بندہ پاک بدن، پاک کپڑے، پاک جگہ پر ہاتھ باندھے ادب سے نظریں جھکائے اپنے منعم حقیقی کے حضور کھڑا ہو کر

یہ حقیقت ہے کہ کسی قوم و مذہب کی بقا و تحفظ کے لیے شیرازہ بندی اور مرکزیت کا ہونا ایسے ہی ضروری ہے جیسے زندگی کی بقا کے لیے رگوں میں خون ضروری ہے، اس لیے ہر مذہب و ملت نے اپنا ایک مذہبی شعار اور ایک مرکزی مقام ضرور متعین کیا ہے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ جب تک قومیں اپنے مرکز سے وابستہ رہتی ہیں اس وقت تک ان کے اندر قوت و شجاعت، ہمت و جرأت، اقدام و پیش قدمی، حوصلہ و اقبال مندی، ظفر و کمارانی اور حیات و زندگانی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ لیکن جب قومیں اپنے مرکز سے جدا ہو جاتی ہیں تو ان کی جماعتی تنظیم کی گرہیں کھل جاتی ہیں، ان کا قومی اور ملی شیرازہ منتشر ہو جاتا ہے اور ان کے اندر غلامانہ ذہنیت، کمزوری و بزدلی، خود غرضی و نفس پرستی، مرعوبیت اور محکوم جیسی برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ وہ قوم جسد بے روح کی طرح زمین کا بوجھ بن جاتی ہے۔ اقوام عالم کی نگاہ میں اس کی قدر و منزلت گھٹ جاتی ہے، غیروں کا رعب و دبدبہ اس پر مسلط ہو جاتا ہے اور وہ قوم ذلت و نکبت کی حالت میں غلاموں کی طرح غیروں کی اطاعت کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

مسجد اسلام کا مرکز:

بالکل یہی حال عصر حاضر کے مسلمانوں کا ہے۔ کبھی ان کا اتحاد و اتفاق مثالی تھا اور آج ان کا اختلاف و انتشار ضرب المثل بن گیا ہے۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ مسلمان اپنی مرکزیت سے کوسوں دور ہو چکے ہیں جب کہ اسلام نے مسلمانوں کو باہم متحد رکھنے کے لیے ان کا مذہبی شعار نماز اور مرکزی مقام مساجد کو قرار دیا ہے اور دونوں کو باہم اس طرح مربوط کر دیا ہے کہ نماز کو مسجد سے اور مسجد کو نماز

اپنی بے بسی اور رب کی عظمت و کبریائی کا اعتراف کرتا ہے اور اپنے خالق کی تقدیس کا ترانہ اسی کے الفاظ اور اسی کے دربار میں گنگنا کر اپنی اطاعت و بندگی کا ثبوت پیش کرتا ہے:

﴿وَقَوْمُوا لِلَّهِ قِنْتَيْنِ﴾ [البقرة: ۲۳۸]

”اللہ کے لیے پوری تابع داری کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔“

اس طرح اسلام اپنے تابعین اور شیعہ انیوں کو دن میں پانچ مرتبہ اپنے مرکز پر لا کھڑا کرتا ہے۔ اسلام کا یہ مرکز یہی مساجد ہیں جن کو بیت اللہ اور خانہ خدا کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ مؤذن شب و روز میں پانچ مرتبہ نعرہ تکبیر کے شیریں نعمات کے ساتھ ان اسلامی مراکز میں جمع ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ مسجد مذہبی، اخلاقی، سیاسی، تمدنی، ثقافتی مقاصد اور ملی جدوجہد کا مرکز ہے، اس لیے شریعت نے مسجد کو دنیا کا سب سے مقدس اور عند اللہ محبوب ترین مقام قرار دیا ہے:

((أحب البلاد إلى الله مساجدها، وأبغض

البلاد إلى الله أسواقها.))

”مسجدیں اللہ کے نزدیک روئے زمین کا سب سے محبوب ٹکڑا

ہیں اور بازار اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ ٹکڑا ہیں۔“

مسجد اور جماعتی تنظیم:

مساجد میں شب و روز کی حاضری نے ہمیں جماعتی تنظیم کا درس دیا۔ باہمی اختلاف کو مٹانا اور جماعتی ہستی کی وحدت میں فنا ہونا سکھایا۔ مسجد میں پہنچ کر ہم نے اپنا ایک امام اور ایک قائد تسلیم کیا جس کے جھکنے اور اٹھنے پر ہم نے جھکنا اور اٹھنا سیکھا۔ اس سے ہم نے اطاعت اور فرماں برداری کا عہد کیا، صف بہ صف، شانہ بہ شانہ اور ٹخنوں سے ٹخنے ملا کر بغض و حسد اور نفرت و عداوت کی گرہیں کھولیں اور اس کی جگہ پاکیزہ الفت و محبت کا پیمانہ باندھا۔

بنابریں نماز کے لیے جماعت کی حاضری بغیر کسی عذر شرعی کے واجب اور ضروری قرار دی گئی اور کسی فرد مومن کو یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ جب چاہے، جہاں چاہے، جیسے چاہے اور جدھر چاہے اپنا منہ کر کے نماز پڑھے۔ بلکہ اس کو اصول و ضوابط کا پابند کیا گیا تاکہ اس

کی ایک ایک حرکت ایک ایک ادا اور ایک ایک جنبش سے وحدت و یکتائی کا نظم آشکارا ہو اور آپس میں تعاون، ہمدردی، غم خواری اور میل جول کا جذبہ پیدا ہو۔ اسی لیے نماز باجماعت سے سستی اور کابلی کرنا نفاق کی علامت قرار دی گئی ہے:

﴿وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُتْلَى﴾

[النساء: ۹۲]

”اور وہ (منافقین) جب نماز کی طرف اٹھتے ہیں تو سست

بنے ہوئے اٹھتے ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ليس صلاة أثقل على المنافقين من الفجر

والعشاء، و لو يعلمون ما فيها لأتوها وما لو

حبوا.))

”منافقین پر کوئی نماز فجر اور عشاء سے زیادہ بوجھل نہیں اور

اگر یہ جان لیں کہ ان دونوں میں کیا (اجر و ثواب) ہے تو

ضرور آئیں گے اگرچہ گھٹنوں کے بل (پہنچنا پڑے تو ضرور

پہنچیں گے)۔“

مسجد میں جہاں اللہ کی عبادت مقصود ہے وہیں جماعت کی شیرازہ بندی، سمع و طاعت، اجتماعیت اور تنظیم بھی مقصود ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد سب سے پہلے جو کام کیا تھا وہ مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر تھی۔

مسجد: درس گاہ نبوت:

صدرِ اول میں مساجد اسلام کی تعلیم و تبلیغ کا مرکز اور ملت اسلامیہ کی علمی، سیاسی، ثقافتی، تنظیمی، اخلاقی اور روحانی قوتوں کا منبع اور سرچشمہ ہوا کرتی تھیں۔ یہیں سے ہر قسم کے علم و فن کی تعلیم دی جاتی تھی اور ہر قسم کی سرگرمیوں کے نقشے اور خاکے مرتب کیے جاتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ دعوت و ارشاد کا ہر کام پوری دنیائے اسلام میں یہیں سے کیا جاتا تھا۔ عہد رسالت میں طالبانِ علم نبوت کے لیے مسجد نبوی کے ایک حصے میں ایک چبوترہ بنا ہوا تھا جہاں وہ رہا کرتے تھے

ہونے کے ساتھ درحقیقت اسلامی دارالسلطنت ہیں۔ عویمر عجلانی کے لعان کا قضیہ اسی مسجد نبوی میں طے کیا گیا تھا۔ ثمامہ بن اثال اور ابولبابہ کو اسی مسجد کے ستون سے باندھا گیا۔ کعب بن مالک اور عبداللہ بن حدرہ کے قرض کا مسئلہ اسی مسجد میں حل کیا گیا۔ حبشیوں نے فن حرب کا مظاہرہ اسی مسجد نبوی کے صحن میں کیا۔ غزوات و سرائیا کی تیاری و مشورے اسی مسجد میں ہوا کرتے تھے۔ حدود و تعزیرات کے قضایا اسی مسجد میں سنائے جاتے۔ غرباء اور فقراء کی امداد کی اپیل اور وفود سے ملاقات اسی مسجد میں کی جاتی۔

اس لیے دراصل یہ مساجد عہد نبوی میں بہ یک وقت خانہ خدا، درس گاہ نبوت، اسلام کا مرکز، صیغہ جنگ کا دفتر، دارالامارہ، دارالقضاء، دارالشوری، دارالامن بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ عاصمۃ الاسلام تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَحَابَّةً لِّلنَّاسِ وَآمَنَّا﴾

[البقرة: ۱۲۵]

”اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کا مرجع اور مقام امن بنایا۔“

مسجد کی آبادی کا مفہوم:

مسجد سے تعلق، اس کی صفائی ستھرائی، اس کی حفاظت و نگرانی، نماز باجماعت کی ادائیگی اور مسجد میں بہ کثرت آمد و رفت ایمان کی علامت قرار دی گئی ہے:

﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنَ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ
فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَن يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ۝﴾

[التوبة: ۱۸]

”اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تو ایسے لوگ قریب ہے

اور زبان رسالت سے علم نبوت کا درس لیا کرتے تھے۔ ان اصحاب کو اصحاب صفہ کہا جاتا ہے۔ وقت کے لحاظ سے ان کی تعداد کم و بیش ہوا کرتی تھی۔ خصوصیت کے ساتھ جب مکہ فتح ہوا تو سن نو ہجری میں نہایت سرعت کے ساتھ اسلام پورے عرب میں پھیل گیا اور دین کے مسائل سیکھنے کے لیے بہ کثرت وفود آپ ﷺ کی خدمت میں آنے لگے، اسی لیے اس سال کو ”سال وفود“ کہا جاتا ہے۔ یہ تمام وفود عہد رسالت کے طلباء ہوتے تھے۔ ان کا قیام اور رہائش عموماً مسجد نبوی کی چٹائی یا اس کا صفہ (چبوترہ) ہوتا تھا۔ ضروری مسائل سیکھنے کے بعد یہ وفود اپنے وطن واپس جاتے اور اپنی قوم و برادری میں دعوت و ارشاد کا فریضہ انجام دیتے:

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ
كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَ
لِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ
يَحْذَرُونَ ۝﴾ [التوبة: ۱۲۲]

”ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ سارے ہی مومنین نکل پڑیں، کیوں نہ ہر گروہ سے ایک جماعت نکلے تاکہ دین کی سمجھ حاصل کرے اور جب اپنی قوم کی طرف پلٹے تو انھیں انجام سے ڈرائے تاکہ لوگ ڈریں۔“

حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عمرو بن عاص جیسے زاہد و متقی، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس جیسے مجتہد اور فقیہ، ابو ہریرہ اور ابوالدرداء جیسے حامل علم نبوت، خالد بن ولید اور حضرت علی جیسے بہادر، ابو بکر اور عمر جیسے مفکر و مدبر اور قائد و رہبر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اسی مسجد نبوی کے صفہ و منبر سے تیار کیے گئے تھے۔ انھوں نے براہ راست زبان نبوت سے فیض حاصل کیا اور آفتاب و ماہتاب بن کر آسمان اسلام پر ابھرے اور اپنے علم و فن سے دنیا کو رشد و ہدایت کی روشنی بخشی اور دنیا نے اصحاب رسول اللہ ﷺ کی سیادت و قیادت کو تسلیم کیا۔

مسجد: عاصمۃ الاسلام:

یہ مساجد وحدت اسلام کا قلعہ اور علم دین کی مرکزی درس گاہ

کہ ہدایت یاب ہوں۔“

مسجد کی آبادی کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کے لیے ہر طبقے سے لوگ وہاں پہنچیں اور آپس میں اخوت و بھائی چارگی کا ماحول قائم کریں۔ نہ یہ کہ صرف بوڑھے اور بچے جائیں اور ایک دوسرے پر تنقید و تبصرہ اور وطن و تشیع کریں جس سے آپس میں اتحاد و اتفاق کے بجائے کدورت اور اختلاف کی فضا قائم ہو۔

اللہ کے وہ نیک بندے جو حبہ للہ مسجد کی تعمیر کرتے ہیں یا اس کی تعمیر میں حصہ لیتے ہیں، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ جنت میں ایسا مقام عطا کرے گا جو مسجد ہی کی طرح جنت کا سب سے مقدس اور عند اللہ محبوب ترین مقام ہوگا:

((من بنى لله مسجدا بنى الله له بيتا في الجنة.))

”جو اللہ کے لیے مسجد بنائے اللہ اس کے لیے جنت میں (اسی جیسا) گھر بنائے گا۔“

مسجد کا حاضر اور ماضی:

یہ حقیقت واضح طور سے سامنے آچکی ہے کہ مساجد صدرِ اول میں، بالخصوص عہدِ نبوی میں، دینی و ثقافتی اور اجتماعی و سیاسی قوتوں کا مرکز ہوا کرتی تھیں۔ نماز، روزہ اور حج و زکاة کی تعلیم بھی انھی مساجد سے دی جاتی تھی اور حکومت و سیاست، جنگ و جہاد اور حقوق و معاملات کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ اسی لیے اس زمانے میں مسجد کا امام اور حکومت کا امیر ایک ہی شخص ہوتا تھا اور وہ قوم کا ایک ایسا شخص ہوتا تھا جو اپنے ماحول کا اور معاشرے کا بہترین شخص ہوا کرتا تھا، نیز اپنے وقت کا نہایت مدبر سیاست دان اور اسرارِ شریعت سے واقفیت رکھنے والا ہوتا تھا۔

جب تک اس اصول پر عمل ہوتا رہا مساجد کی مرکزیت باقی رہی اور سیاست دین کی پہرہ داری سے آزاد نہیں ہو سکی۔ لیکن بعد کے دور میں جب دین و سیاست میں بٹوارہ ہو گیا اور حکومت و سیاست پر امراء

اور اغنیاء کا ایسا طبقہ مسلط ہو گیا جو دین و شریعت سے کم ہی واقفیت رکھتا تھا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ سیاست دین کی پہرہ داری سے آزاد ہو کر فیل بے زنجیر بن گئی اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

دوسری طرف مساجد میں جاہل ائمہ کی کثرت اور بے نمازی و خود غرض متولیوں کی اجارہ داری نے مساجد کا نظام درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ اور یہ مساجد جو رشد و ہدایت اور دعوت و ارشاد کا سرچشمہ تھیں، جدال و قتال اور بدعات و خرافات کا ذریعہ بن گئیں۔ اس لیے آج ایسی جامع تبدیلی کی ضرورت ہے جو مسجدوں کو ان کا وہ صحیح مقام دلا سکے جو انھیں صدرِ اسلام میں حاصل تھا۔

اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ کم از کم مرکزی شہروں کی اہم مساجد یا ہر بستی کی جامع مسجد کے ائمہ ضروری طور سے ایسے ہوں جو امورِ شریعت سے اچھی طرح واقف ہوں اور امت کی دینی اور سیاسی قیادت سنبھالنے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور اس کے لیے ضرورت ہے کہ ملک کے متعدد شہروں میں ایسے بنیادی مراکز قائم کیے جائیں جہاں ایک مناسب اور متوازن نصاب کے تحت مساجد کی امامت کے لیے تعلیم و تربیت دی جائے تاکہ وہ اس منصب کا حق بہ خوبی ادا کر سکیں۔ (بہ شکر یہ ماہنامہ ”محدث“، بنارس)

معلومات داخلہ برائے سعودی یونیورسٹی

وہ حضرات جنہوں نے پچھلے پانچ سالوں میں ایف اے یا اس کے مساوی، یا کسی دینی مدرسے سے العالیہ کی سند حاصل کی ہو اور ان کی عمر ۲۳ سال سے زائد نہ ہو، یا پچھلے پانچ سالوں میں بی اے کی سند حاصل کی ہو اور عمر ۳۰ سال سے زائد نہ ہو۔

رابطہ: پروفیسر ڈاکٹر رانا خالد مدنی (فاضل مدینہ یونیورسٹی پی ایچ ڈی) سابق مترجم مواجہ شریفہ، مسجد نبوی، مدینہ منورہ، چیئر مین ادارہ اشاعت اسلام لاہور۔ رابطہ: 0306-4476055

مشاہدہ اور اس کی اہمیت

پروفیسر محمد معین فاروقی

۲۳

نفسِ مضمون کی بحث سے قبل لفظ ”مشاہدہ“ کی وضاحت کر دینا ضروری ہے۔ اس لفظ کا اطلاق نہ صرف دنیا کی ان اشیاء پر ہوتا ہے جو مادی صفات سے متصف ہوتی ہیں بلکہ ان پر بھی ہوتا ہے جو بذاتِ خود مادہ نہیں ہوتیں، مثلاً: کسی چیز کا رنگ یا وزن۔ اس کے علاوہ غیر عنصری عالم جو بظاہر نظروں سے پوشیدہ ہیں مگر قوتِ مخیلہ کے ذریعے جب کہ ظاہری حواس معطل ہو جاتے ہیں، ان سے رابطہ قائم کر کے وجود پذیر واقعات کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، مثلاً: عالمِ رؤیاء میں مردوں کو دیکھنا اور ان سے گفتگو کرنا یا جیسے عالمِ ملکوت سے ملائکہ کا مشہود ہونا، بعض صوفیاء کے نزدیک یہ عالم اوقاتِ بیداری میں بھی مکشوف ہوتا ہے جس کو وہ دیدارِ انوارِ الہی سے تعبیر کرتے ہیں۔ فی الوقت اس قسم کے واقعات اور کشفی معاملات جو عام انسانوں سے تعلق نہیں رکھتے اور نہ ان کو سمجھنے کے لیے ان میں صلاحیت ہوتی ہے اور اگر بلا تخصیص ان کو عوام میں پھیلا یا جائے تو گمراہی کے اسباب بھی پیدا ہو سکتے ہیں، ان سب سے صرفِ نظر کر کے ان حوادث و واقعات پر اکتفا کیا جائے گا جو مادی اشیاء سے متعلق ہیں اور جن کو اپنی استطاعت کے مطابق دیکھنے اور سمجھنے کے لیے باضابطہ قرآنِ حکیم میں غور و فکر کی عمومی دعوت ہے۔

اللہ کی کائنات ایک کھلی ہوئی ضخیم کتاب کے مانند ہے جو اس کے افعال سے مزین ہے۔ اس کے اوراقِ علوم کائنات کے مختلف ابواب پر مشتمل ہیں۔ یہ کتاب کسی زبان کی محتاج نہیں بلکہ چشمِ بصیرت ہی سے اس کی ورق گردانی کی جاسکتی ہے۔ مادہ اس کا جو ہر ہے جس کو انواع و اقسامِ شکلیں دے کر طول و عرض میں بکھیرا گیا ہے، سارے جان دارو بے جان اسی مادہ کے مرہونِ منت ہیں، کائنات وحدتِ کل کا ایک پرٹو ہے جو مقررہ قوانین کے تحت رواں دواں ہے۔ (وحدت

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ أَجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءً ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ [البقرة: ۲۶۰]

”اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! مجھے دکھا تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ فرمایا: اور کیا تو نے یقین نہیں کیا؟ کہا: کیوں نہیں اور لیکن اس لیے کہ میرا دل پوری تسلی حاصل کر لے، فرمایا: پھر چار پرندے پکڑ اور انہیں اپنے ساتھ مانوس کر لے، پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک حصہ رکھ دے، پھر انہیں بلا، دوڑتے ہوئے تیرے پاس آ جائیں گے اور جان لے کہ بے شک اللہ سب پر غالب کمال حکمت والا ہے۔“

مندرجہ بالا مکالمے میں ایک جلیل القدر نبی کی جانب سے جس سوال کی پیش کش کی گئی اور اس کے جواب میں خالقِ کائنات نے جو تجویز رکھی اگر اس پر غور کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ نے تجسس کی جو صفت انسان کو ودیعت کی ہے اس کا کما حقہ اظہار ہے۔ ایمان و یقین محکم کے اعتراف کے باوجود مشاہدہ پر اصرار کا پہلو نمایاں ہے۔ زور اس بات پر ہے کہ مردے کو زندہ ہوتے دیکھ کر نہ صرف عقل مطمئن ہوگی بلکہ قلبی کیفیت میں سکون اور ٹھہراؤ بھی پیدا ہوگا۔ اس جذبہ شوق اور فطری تقاضے کا احترام کرتے ہوئے ربِّ العزت نے جو تجویز رکھی وہ آیات فی الآفاق کی گرہ کشائی کے لیے اساسی اہمیت رکھتی ہے۔

نتائج برآمد نہ ہوں تو شکست کے اعتراف ہی سے اصلاح کی امید کی جاسکتی ہے۔

علامہ طحاوی کے اعداد و شمار کے مطابق قرآن حکیم میں ۵۰ آیات آفاقی مظاہر پر غور و فکر کی ترغیب کے واسطے موجود ہیں اور اس کے مقابل صرف ۱۵۰ آیات شرعی احکامات اور فرامین سے متعلق ہیں۔ اس عددی تفاوت سے ثانی الذکر کی اہمیت پر آج نہیں آتی بلکہ ایمان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ ایمان ہی عمل کا سرچشمہ ہے، یہ جتنا قوی ہوگا اسی نسبت سے عمل کے چشمے پھوٹ نکلیں گے۔ ایمان ہی کی تقویت کے لیے یہ مقدس راہ قرآن نے تجویز کی تھی، خود رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں معراج کا واقعہ اسی بات کی دلیل ہے کہ کامل تربیت اور اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہونے کے باوجود بشری تقاضوں کی رعایت کی بنا پر رب العزت نے اس بات کی ضرورت سمجھی کہ اپنے حبیب کو اس نظام کا بھی مشاہدہ کروائے جو عام انسانوں سے مخفی رکھا گیا تھا تاکہ عینی شہادت کے بعد اس جامعیت اور خود اعتمادی کے ساتھ جب آپ ﷺ ان ماوراء حقائق کا تذکرہ فرمائیں تو ختم نبوت سے قیامت تک یہ الفاظ ہی لوگوں کے یقین و ایمان کی کفالت کر سکیں۔ یہی سبب رہا ہوگا کہ بیدار ہو کر شب کی تاریکی میں جب بھی سر مبارک بلند ہوتا تو خلاء کی وسعت اور تاروں کی جھلملاہٹ سد راہ نہ ہوتی بلکہ اس کے پرے جا کر رکتا ہوا اور تنخیل کے سیمیں پردے پر عالم ملکوت کے عجائب جگمگ اٹھتے ہوں گے، پھر جس والہانہ کیف سے آپ ﷺ یہ آیات تلاوت فرماتے ہوں گے اس کیفیت کا اندازہ لگانا ہمارے تصور سے بعید ہے:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝﴾

[آل عمران: ۱۹۰، ۱۹۱]

کل سے صوفیاء کے اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ مشہور مسلم سائنسدان کا وہ نظریہ ہے جو کائنات کی وحدت کے اثبات میں پیش کیا گیا ہے۔) کائنات کی ہر چیز اسی وحدت سے منسلک ہے اور ہمہ وقت اسی کی تسبیح میں رطب اللسان ہے، یہی اس کا مقدر، یہی اس کی ابتدا اور یہی انتہا ہے۔ ابن آدم ہی کو صرف جزوی خود مختاری عطا کی گئی ہے کہ وہ چاہے تو اس رشتہ کو منقطع کر دے یا استوار کرے، سزا اور جزا کا نظام اسی پر منحصر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت بندوں پر سایہ فگن ہے۔ وہ ہر قصور معاف کر سکتا ہے، صرف اپنی ذات و صفات میں کسی کی شرکت گوارا نہیں کرتا۔ اپنی وحدت کے ثبوت میں عقل انسانی کے لیے طرح طرح کے دلائل پیش کرتا ہے جن سے سرمو اعراض کرنے والوں کا شمار عاقلوں میں نہیں کیا جاتا۔ کائنات کی ہر چیز ”کیف خلقت“ کی داعی ہے، وہ اپنی معرفت کی طالب ہے۔ بہ زبان خلق اس کا دعویٰ ہے کہ معرفت الہی کی یہی پہلی منزل ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ انسان اس کے کل پرزے جدا جدا کر کے صنایع کی مدح سرائی میں مشغول ہو جس نے اس کو ترتیب دے کر لاجواب بنا دیا، اسی تشریح میں انسانوں کی مادی ترقی کا راز پوشیدہ تھا۔ اسی فعل سے فاعل کی عظمت کا اندازہ کیا جاسکتا تھا مگر حسرت اُن لوگوں پر ہے جو خلق کی آواز پر لبیک نہیں کہتے، گائے بیل کی طرح دیکھ تو سکتے ہیں مگر کفرانِ نعمت پر مائل ہیں۔ تاکید کے باوجود اپنی بصارت اور عقل سے کام نہیں لیتے۔ روز جزا جب نعمتوں کا حساب لیا جائے گا تو کیا معاملہ ہوگا، کچھ نہیں کہا جاسکتا:

﴿وَكَايْنٍ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ

عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ﴾ [یوسف: ۱۰۵]

”اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے

گزرتے ہیں اور وہ ان سے بے دھیان ہوتے ہیں۔“

قاری کی تلاوت کا کمال یہ ہے کہ مضمون کے مطابق تاثر کا اظہار ہو۔ واعظ اپنی سحر بانی سے سامعین کے شعور کو بیدار کر دے، استاد اپنے شاگردوں کو خلق کی ان پُر تپ واد یوں تک پہنچا دے۔ اگر مطلوبہ

منعقد کرتے ہیں اور نئے طرز کے جریڈے شائع کرتے رہتے ہیں۔ ان کے عزائم سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ دنیوی اور اخروی حسنات کے طالب ہیں اور یہی قرآنی دعائ کی تعمیر نو کا سنگ بنیاد معلوم ہوتی ہے۔ شاید امت مسلمہ کے جمود اور انحطاط کا سوگ منانے والوں کے آنسو پونچھنے کے لیے یہ طبقہ اٹھا ہے۔ دینی حلقوں سے ان کے اشتراک کی ضرورت ہے۔

قرآن مجید سے دلچسپی کی دیگر وجہ کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کلام اللہ میں ان کو اپنے علمی ذوق کے مطابق دلچسپ اشارے ملتے ہیں، ملاحظہ ہو:

﴿وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ تَيْنٍ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ﴾ [النحل: ۶۶]

”اور بلاشبہ تمہارے لیے چوپاؤں میں یقیناً بڑی عبرت ہے، ہم ان چیزوں میں سے جو ان کے پیٹوں میں ہیں، گوبر اور خون کے درمیان سے تمہیں خالص دودھ پلاتے ہیں، جو پینے والوں کے لیے حلق سے آسانی سے اتر جانے والا ہے۔“ اس آیت کریمہ میں مویشیوں کی غذا، خون اور دودھ کے باہمی تعلق کا کلیہ بیان کر کے تحقیق کے لیے خطوط تو متعین کر دیے مگر تفصیلات کا کام انسانوں پر چھوڑ دیا گیا تاکہ تحقیق اور تجربے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حسن تدبیر اور احسن تقویم کا مشاہدہ کیا جاسکے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس حقیقت کا انکشاف اس دور میں کیا گیا جب کہ جانوروں کے فعلیاتی نظام کے متعلق معلومات تقریباً نہ ہونے کے برابر تھیں۔ اگر کچھ سرمایہ تھا بھی تو وہ سارے کا سارا حکیم جالینوس کے طبی نظریات پر مبنی تھا۔

یونان کا یہ حکیم دوسری صدی عیسوی میں روم میں طبابت کرتا تھا۔ طبی دنیا میں اس کے تصورات صدیوں تک مستند مانے جاتے رہے۔ غذا اور دوران خون سے متعلق اس کا نقشہ دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے نظریات میں توہم کا عنصر غالب تھا۔ وہ حیوانی اور مجرد

”بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے بدلنے میں عقل والوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔ وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں، اے ہمارے رب! تو نے یہ بے مقصد پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے، سو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔“

کوہ طور کا واقعہ اسی حقیقت کا غماز ہے۔ یہ تو رہی انبیاء کی سنت، اب عوام کے لیے کس قسم کے شواہد کی تلقین کی گئی ہے، ملاحظہ ہو:

علمی اعتبار سے انسانوں کو چار طبقات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اول وہ جنہوں نے علوم کائنات ہی کو اپنی فکر کا مرکز بنایا اور ساری عمر اسی کی تحقیق اور تنقید کے لیے وقف کر دی۔ مخلوقات کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے نئے نئے تجربے کیے، ایجادیں کیں، بعض نے اپنی جان تک کی بازی لگا دی۔ اپنی کاوشوں سے قدرت کے اسرار کا پتہ لگایا اور دنیا والوں کو ایک ”نئی تہذیب“ سے متعارف کرایا جس کی بنیادیں صدیوں پہلے ہمارے اسلاف قائم کر چکے تھے۔ آج اس تہذیب کے روشن اور تاریک پہلو ہمارے سامنے ہیں۔

دوسرا طبقہ ان عالموں کا ہے جو دینی علوم کے ماہر ہیں، یہ لوگ اس تہذیب نو سے متاثر ضرور ہیں مگر براہ راست ان علوم سے واسطہ نہیں رکھتے۔ تیسرا طبقہ وہ ہے جو خواندگی کی حدود سے تجاوز نہیں کرتا اور چوتھا عامیوں کا وہ گروہ ہے جو علمی نقطہ نظر سے معصوم ہے۔ نمبر ۱ اور ۲ کے حضرات خواص سے تعلق رکھتے ہیں، معاشرے کی عنان اٹھی کے ہاتھوں میں ہے۔ ایک خوش آئند بات یہ ہے کہ طبقہ اول میں ایک مختصر سا گروہ ایسا بھی شامل ہے جس نے پچھلے چند برسوں میں کلام اللہ سے غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ یہ وہ مسلم نوجوان ہیں جو برصغیر پاک و ہند کے علاوہ ترقی یافتہ ممالک میں سرگرم عمل ہیں۔ ان کے کئی مراکز ان ملکوں میں قائم ہیں، وقتاً فوقتاً تعلیم قرآن پر چھوٹی بڑی کانفرنس اور سیمینار

روح کا قائل تھا۔ اس کے باوجود تقریباً سترھویں صدی تک اس کے خیالات عوام میں مقبول رہے۔ قرآن مجید کے اس اعلان کے بعد آٹھویں صدی سے تحقیق کے باب کھلنا شروع ہوئے اور ابن سینا اور رازی جیسی شخصیتیں اس کام پر لگ گئیں۔ ۱۲۴۲ء میں ابن النفیس نے پھیپھڑوں میں دوران خون کا پتہ لگایا اور اس کے کئی صدیوں کے بعد ۱۶۲۸ء میں ہاروے نے مکمل طور پر دوران خون کا نظام دریافت کیا۔

آج اس نظام کا کیمیائی پس منظر ہمارے علم میں ہے، بہت کچھ معلوم ہو چکا ہے اور بہت کچھ اب بھی جاننا باقی ہے۔ طوالت کے خوف سے تفصیلات میں نہیں جایا جاسکتا، البتہ ماہرین کے نقطہ نظر سے یہ بات پوری ذمہ داری کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ موشیوں کے جسم میں کیمیائی عملیات کا یہ حیرت انگیز سلسلہ کسی کرشمے سے کم نہیں۔ کیمیائی اجزاء کے بالترتیب باہمی عمل سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ بے جان عناصر بھی کسی نہ کسی قسم کے شعور سے مکلف ہیں جس کے باعث ان کا ذرہ ذرہ قوانین قدرت کی پابندی پر مجبور ہے۔

اس ضمن میں ایک بات اور بھی قابل غور ہے اور وہ یہ کہ خالق کائنات نے اشیاء کی تشکیل میں جو ترتیب (ڈیزائن) تجویز فرمائی وہ اپنی جگہ بے مثل ہے۔ جسم کے اعضاء و جوارح بلکہ ہر رگ و ریشہ جس شکل میں ہے اور جس مقام پر قائم ہے اسی پر جسم کی پوری کارکردگی کا انحصار ہے، ذرا سی تبدیلی سے نظام میں تغیر پیدا ہو سکتا ہے۔

امریکا میں ہر سال ہزاروں باشندے لقوے کا شکار ہو جاتے ہیں، یہ بیماری چہرے کے اعصاب سے متعلق ہے۔ معیاری سرجری سے اس مرض میں جزوی افادہ تو ہو جاتا ہے مگر یہ کیفیت پھر بھی باقی رہتی ہے کہ اگر مریض آنکھ کھولے یا بند کرے تو غیر شعوری طور پر منہ بھی کھلتا اور بند ہوتا رہتا ہے۔ ماضی قریب میں نیویارک کے پلاسٹک سرجری کے ماہر مائیکل زاکس نے علاج کا ایک اور طریقہ دریافت کیا۔ وہ یہ ہے کہ چہرے کا وہ پٹھا جو اوپر اور نیچے کے جڑے سے جڑا ہوا ہے۔ اس کو نیچے سے جدا کر کے دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، اس کا ایک حصہ منہ سے اوپر اور دوسرا حصہ منہ سے نیچے اپنے اصل مقام سے ذرا

ہٹا کر ہڈی سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ چہرے کی اعصابی ڈور جس کی شاخیں آنکھ اور منہ تک پھیلی رہتی ہیں اس میں پیوند لگا کر درست کیا جاتا ہے، اس ترکیب سے شکل و صورت کچھ اصل سے مشابہ تو ہو جاتی ہے مگر یہ نقص پھر بھی باقی رہتا ہے کہ اگر مریض کسی چیز کو چبانے کی کوشش کرے تو غیر ارادی طور پر مسکراتا نظر آتا ہے۔ زاکس کا خیال ہے کہ چہرے کے پٹھوں کی تقریباً دو سال مسلسل ورزش کے بعد ان پر کسی حد تک قابو پایا جاسکتا ہے مگر پھر بھی اس قطع و برید سے مریض ہمیشہ کے لیے اپنی قدرتی نقل و حرکت سے محروم ہو جاتا ہے۔

کائناتی نظام پر غور و فکر، تجزیہ اور تجربے کے بعد انسان کبھی ایسے نتائج بھی اخذ کرتا ہے جو قرآن مجید کی بعض آیات کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

کیسبرج یونیورسٹی کے ریاضیاتی طبیات کے معروف پروفیسر ڈگلس ہارٹی جنھوں نے لوہے کے ایٹم کی ساخت پر کام کیا ہے، ان کا خیال ہے کہ کسی بھی ریاضی کے فارمولے کی مدد سے ایٹمی الیکٹرانوں کے باہمی تعلق کو ظاہر نہیں کیا جاسکتا اور اگر اس تعلق کو عددی نقطہ نظر سے تختیوں کی شکل میں چھاپنے کی کوشش کی جائے تو یہ قول ان کے: ”پورے شمسی نظام میں اس قدر مادہ نہیں ہے جو ان تختیوں کی طباعت کے لیے کافی ہو اور اگر کوئی صورت نکل بھی آئے تو اول یہ تختیاں اس قدر ضخیم ہوں گی کہ ان کو کوئی استعمال نہیں کر سکتا اور دوم یہ کہ یہ معلومات صرف ایک ہی ایٹم کی ایک مخصوص حالت کی ترجمان ہوں گی۔“

ذرا ان الفاظ کو ذہن میں رکھیے اور پھر قرآن حکیم کی اس عبارت پر غور فرمائیے کہ کس طرح انسانی مشاہدات لامحدود سفر میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں:

﴿قُلْ لَوْ كَانِ الْبَحْرُ مَدَادًا لَّكَلِمَتُ رَبِّي لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَذَ كَلِمَتُ رَبِّي وَلَوْ جَنَّا بِحِثْلِهِ مَدَدًا﴾

[الحکفہ: ۱۰۹]

”کہہ دے: اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی

بقیہ: اسلامی نظام معیشت کی خصوصیات
 ”اگر کوئی جزیہ دینے والا اپنی زمین کی آمدن سے جزیہ دینے کے قابل نہیں رہا تو اس کو اتنا قرض دو جس سے وہ اپنی زمین سنوار سکے، ہم ان سے ایک سال نہیں بلکہ دو سال تک کچھ تقاضا نہیں کریں گے۔“
 جس طرح اللہ کے دین، اسلام کے محاسن اور خصائص کا استقصا اور احاطہ حد بیان و تقریر سے باہر ہے اسی طرح اس شجرہ طیبہ کی ایک شاخ اس کے نظام معیشت کے امتیازات و خصوصیات شمار کرنا بھی انسانی طاقت سے افزوں تر ہے۔
 ہم اس موقع پر لوگوں کی آزر دگی اور مضمون کی طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفا کرتے ہیں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ بابرکت نظام اپنی زندگی میں وطن عزیز میں نافذ ہوتا اور اپنی برکات برساتا دکھائی دے۔ وما ذلک علی اللہ العزیز .
 وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین و صلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ أجمعین .

بن جائے تو یقیناً سمندر ختم ہو جائے گا اس سے پہلے کہ میرے رب کی باتیں ختم ہوں، اگرچہ ہم اس کے برابر اور سیاہی لے آئیں۔“
 کائناتی نظام پر غور و فکر کی تعلیم سے یہی مقصود تھا کہ اللہ کی مخلوق کا حق ادا کیا جائے، مشاہدے کے ذریعے ان کی ساخت و صفات کے متعلق خصوصی معلومات حاصل کی جائیں، پھر ان کا عنوان اللہ کی عظمت کا اعتراف ہو۔ ان نظریات میں اتنی لچک بھی ہو کہ اگر اس سے بہتر کوئی نظریہ سامنے آئے تو اس کو قبول کرنے میں قباح محسوس نہ ہو بشرط کہ بنیادی عقائد سے ان کا ٹکراؤ نہ ہوتا ہو۔ علمی ترقی کا یہی راز ہے کہ نئے نئے خیالات سے اس کی آبیاری ہوتی رہے۔ قرون وسطیٰ میں اگر طبی دنیا حکیم جالینوس کے نظریات کو حرف آخر مان کر مطمئن ہو گئی ہوتی تو آج طبی ذہن مفلوج ہو کر رہ جاتا۔ یہی فکری تہذیب جمودی رجحانات کا سد باب کر سکتی ہے اور یہی علم اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی لازوال قوت تخلیق کے اثبات میں بہ طور دلیل پیش کیا جاسکتا ہے۔

مولانا قاری عبدالوکیل صدیقی کے لیے دعائے صحت
 مجاہد اسلام، خطیب ملت مولانا قاری عبدالوکیل صدیقی (نائب امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث، پاکستان) ان دنوں بہ عارضہ جگر شدید علیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو صحت کاملہ، عاجلہ اور نافعہ عطا فرمائیں۔ قارئین بھی ان کے لیے دعائے صحت کی دعا فرمائیں۔ (قاری عبدالرحیم کلیم، مرکز التوحید، چوک چورہٹہ، ڈیرہ غازی خان)

سکولوں کے سالانہ امتحانات میں پرائمری، مڈل یا میٹرک پاس ہونے والے طلباء کے لیے

دینی و دنیوی تعلیم کے ساتھ

دارالحدیث اوکاڑا میں داخلہ کاسنہری موقع

والدین کے لیے خوش خبری

○ شعبہ تحفیز القرآن: اس پُر فتن دور میں اپنے بچوں کو قرآن مجید حفظ کرانا بہت بڑی سعادت ہے۔ آپ کی اس خواہش کی تکمیل کے لیے دارالحدیث اوکاڑا میں پرسکون ماحول میں بہترین تربیت کے ساتھ حفظ قرآن کا اہتمام ہے۔ آپ اپنے پھولوں جیسے پرائمری پاس بچوں کو حفظ کے لیے جلد داخل کروائیں۔ قیامت کے دن حافظ قرآن کے والدین کو ایسا سنہری تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج سے بڑھ کر ہوگی۔

- نیز پرائمری پاس طلباء کے لیے چھٹی کلاس کا داخلہ بھی شروع ہے۔ بچوں کو عصری علوم کے لیے داخل کرائیں۔
- مڈل پاس طلباء کے لیے میٹرک، ایف۔ اے مع علوم دینیہ بمطابق نصاب وفاق بہترین تعلیمی سلسلہ جاری ہے۔
- طلباء کی رہائش، خوراک و دیگر سہولیات بذمہ مدرسہ ہیں۔

تو پھر دیر کیوں..... ابھی اور فوری رابطہ کر کے بچوں کو داخل کرائیں۔

ائمہ و خطباء مساجد اپنے حلقہ احباب کو اپنے بچے دارالحدیث میں داخل کروانے کی ترغیب دلا کر الدال علی الخیر کفاعلہ کے مصداق بنیں۔

عبداللہ یوسف، ناظم دارالحدیث ساہیوال روڈ، اوکاڑا

فون: 0312-4403173 / 044-2521460

مولانا عبدالرحمن میمن رحمہ اللہ

ایک دوست، ایک محسن

عبدالرحمان ثاقب، خطیب مرکزی جامع مسجد اہل حدیث، سکھر

اساتذہ کرام:

مولانا عبدالرحمن میمن نے جن علمائے کرام و مشائخ عظام سے تعلیم حاصل کی ان میں سے کچھ کے اسمائے گرامی مل سکتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

مولانا عبداللہ نصیر نہڑیو، مولانا محمد خالد راسخ، مولانا گل محمد لوہار، قاری نعیم الحق نعیم رحمہ اللہ (سابق ایڈیٹر مفت روزہ الاعتصام لاہور)، شیخ الحدیث مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی رحمہ اللہ، شیخ العرب والعمم ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ۔

ہم عصر ساتھی:

آپ کے ساتھ علم حاصل کرنے والے علماء ساتھیوں میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا عبدالخالق جوہنجو، مولانا عمر ہنگور جو، مولانا ارشد علی رحمہ اللہ (کراچی)، مولانا حافظ محمد اسحق زاہد رحمہ اللہ (کویت)، مولانا شیخ ارشاد احمد رحمہ اللہ (کوٹ ادو)۔

تنظیمی وابستگی:

۱۹۸۸ء میں جمعیت اہل حدیث سندھ کی باقاعدہ تنظیم سازی کی گئی جس کا پہلا اجلاس علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کی زیر امارت نیو سعید آباد میں منعقد ہوا تو اس اجلاس میں ہمارے مدد و مدد بھی موجود تھے۔ آپ رحمہ اللہ جمعیت کے ابتدائی کارکنان میں سے تھے اور تادم واپسین جمعیت اہل حدیث سندھ سے منسلک اور وابستہ رہے۔ آپ رحمہ اللہ جمعیت اہل حدیث ضلع حیدر آباد کے امیر تھے۔ آپ کا جمعیت اہل حدیث سندھ کی شوریٰ میں صائب الرائے اور مشورہ دینے

کسی کے دنیا سے چلے جانے سے کاروانِ حیات رُک تو نہیں جاتا لیکن کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے چلے جانے سے عرصہ دراز تک ان کا خلا محسوس ہوتا رہتا ہے۔ میرے بھائی اور دوست مولانا عبدالرحمن میمن رحمہ اللہ کا تعلق بھی ایسے ہی لوگوں سے ہے۔

سرایا:

سفید رنگت، میانہ قد، سنت کے مطابق بغیر تراش خراش داڑھی، اُجلا لباس، سر پر سفید ٹوپی، ٹخنوں سے اوپر شلوار، دھیمے لہجے میں بات کرنا، فضول باتوں سے گریز کرنا، علمی انداز سے جواب دینا۔

نام:

والدین نے امیر علی نام رکھا لیکن اہل حدیث ہونے کے بعد اپنا نام عبدالرحمن رکھا، بعد ازاں مولانا عبدالرحمن میمن کے نام سے مشہور ہوئے۔

پیدائش:

گوٹھ گل جی وی نزد میاری میں ۵ اگست ۱۹۶۱ء کو پیدا ہوئے۔

تعلیم:

پرائمری تعلیم مانکن شاہ جی وی میں حاصل کی، میٹرک گورنمنٹ ہائی اسکول میاری سے اور ایف اے گورنمنٹ کالج میاری سے کیا۔ ایم اے عربی اور اسلامک کلچر بھی کیا۔

ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم مولوی معروف سے حاصل کی جو کہ میاری میں علم تجوید و قراءت میں مشہور و معروف عالم تھے جب کہ مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث لیاقت کالونی حیدر آباد اور جامعہ رحمانیہ لاہور میں بھی زیر تعلیم رہے، بعد ازاں محدث دیار سندھ علامہ سید ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ سے علمی استفادہ کیا۔

والے چیدہ افراد میں شمار ہوتا تھا۔ جمعیت اہل حدیث سندھ سے منسلک ہونے کے باوجود آپ میں تنظیمی تعصب نہ تھا بلکہ مسلک اہل حدیث کے تمام علمائے کرام وقائدین عظام سے اچھے مراسم تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ تمام اہل حدیث تنظیمیں ایک امیر کے تحت ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں۔

کتب سے تعلق:

مولانا عبدالرحمن میمن رحمہ اللہ کو دینی کتب سے گہرا اور قلبی لگاؤ تھا۔ جب بھی ملاقات ہوتی کتابوں پر ہی زیادہ وقت بات چیت رہتی۔ اور آپ اکثر کسی نہ کسی کتاب کی پروف ریڈنگ کر رہے ہوتے تھے۔ آپ رحمہ اللہ ہی نے سب سے پہلے ”پیارے رسول کی پیاری دعائیں“ (مؤلفہ شارح سنن نسائی مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ) سندھی میں شائع کی۔ اور پھر آپ نے شاہ صاحب رحمہ اللہ سے مشورہ کر کے ۱۹۸۵ء میں باقاعدہ ”مکتبۃ الدعوة السلفیہ“ (مبین کالونی ٹیاری ضلع حیدرآباد) کا آغاز کیا، جس کے تحت بہت سی کتابیں شائع کیں۔ بعض کتب کا سندھی سے اردو اور اردو سے سندھی ترجمہ بھی خود کیا، جیسا کہ مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ (سابق امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان) کی کتاب ”رسول اکرم ﷺ کی نماز“ کا بھی سندھی میں ترجمہ کیا۔ اور بعض کتب کے دوست و احباب سے بھی ترجمے کروائے، جیسا کہ راقم الحروف سے علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کی عظیم کتاب تمییز الطیب من الخبیث بجواب رسالہ تحفۃ الحدیث اور مروجہ فقہ کی حقیقت اور اصلی مسنون تراویح (مؤلفہ: ڈاکٹر عبدالحفیظ سمون) کا ترجمہ کروایا۔

چند کتب کا تعارف جو کہ مولانا عبدالرحمن میمن نے چھپوائیں، درج ذیل ہیں:

خطبات راشدیہ:..... مولانا عبدالرحمن میمن رحمہ اللہ کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ وہ محدث دیار سندھ علامہ سید ابوالمحمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کے علمی خطبات کو منظر عام پر لے کر آئے۔ یہ خطبات زیادہ تر سندھی زبان میں تھے جن کا اردو ترجمہ بھی آپ رحمہ اللہ نے کیا اور از

سرنو مرتب کر کے کتابی شکل دی۔ ان میں پہلا خطبہ ۱۹۴۵ء کا ہے جو کہ شیخ الاسلام فاتح قادیان علامہ ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی زیر امارت جمعیت اہل حدیث ہند بٹالہ ضلع گورداس پور میں منعقدہ سیرت کانفرنس میں بہ طور خطبہ صدارت پیش کیا گیا جس میں اہل حدیث کے دس امتیازی مسائل پر انتہائی مدلل اور بلیغانہ انداز میں سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرا خطبہ تقریباً ۱۹۶۰ء کا ہے جو بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر پیش نہیں ہو سکا تھا۔ اس طرح سے یہ تیرہ خطبات ہیں جن میں سے اکثر جمعیت اہل حدیث سندھ کی سالانہ کانفرنسوں میں پیش کیے گئے تھے۔ ان خطبات میں مسلک اہل حدیث کی حقانیت کو واضح کیا گیا اور خدماتِ محدثین کرام کو بہ احسن طریق اُجاگر کیا گیا۔

رموز راشدیہ:..... مولانا مبین رحمہ اللہ نے شاہ صاحب رحمہ اللہ سے آپ کے اور آپ خاندان کے حالات پر مشتمل تفصیلی انٹرویو کیا اور اس کے ساتھ ماہنامہ ”صراطِ مستقیم“ کراچی میں شائع ہونے والے شاہ صاحب کے انٹرویو کو یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کیا تاکہ عوام الناس کو راشدی خاندان کی خدمات سے آگاہی حاصل ہو سکے۔

توحید خالص:..... شاہ صاحب رحمہ اللہ نے توحید کے موضوع پر عظیم کتاب تحریر فرمائی تھی جو کہ وقت کے ساتھ ساتھ ناپید ہو گئی تھی۔ ہمارے ممدوح مولانا عبدالرحمن میمن رحمہ اللہ نے اس کو از سرنو کمپوز کروایا اور شائع کرنا چاہتے تھے لیکن اس سے پہلے ہی داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

مروجہ فقہ کی حقیقت:..... سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ نے ایک دفعہ درس میں فقہ کا مسئلہ ”تعلم الفقہ اُولی من تعلم تمام القرآن“ اور ”طلب الحدیث حرفة المفاليس“ بیان کیا جس پر ایک دوست کے توسط سے مولوی عبدالحی گھوٹو سے تحریری مناظرہ ہوا جو بعد ازاں سندھی زبان میں ہمارے ممدوح مولانا مبین رحمہ اللہ نے کتابی شکل میں شائع کیا، پھر اس کا اردو داں طبقے کے لیے راقم الحروف سے ترجمہ کروایا اور چھپوائی کے لیے کتاب پریس میں موجود تھی کہ آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

اثرات، فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمائی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”سنت کی آئینی حیثیت“، ڈاکٹر عبدالحفیظ سمون کی کتاب ”اصلی مسنون تراویح“ (سندھی وارد زبان میں)، ”اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟“ اور دیگر کتب شائع کیں۔

اندرون سندھ میں رہتے ہوئے ایسا کام پیش کرنا ایک ادارے کا کام تھا جو مولانا میمن رحمۃ اللہ علیہ نے اکیلے سرانجام دیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ سید بدیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تقریباً پینتیس کتابیں شائع کیں جو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی محبت اور تعلق کا واضح ثبوت ہیں۔ ماہنامہ دعوت اہل حدیث کی اشاعت میں کردار:

جمعیت اہل حدیث سندھ نے جب اپنا ترجمان ماہنامہ ”دعوت اہل حدیث“ نکالنے کا فیصلہ کیا تو مولانا عبدالرحمن میمن رحمۃ اللہ علیہ معاونت میں پیش پیش تھے۔ مجلے کی پہلی باقاعدہ اشاعت جولائی ۲۰۰۱ء بمطابق ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ میں ہوئی۔ اس کے ناکسل اور دیگر لوازمات چھپوانے کے لیے خود لاہور گئے اور وہیں سے پہلا شمارہ چھپوا کر لائے۔ ایک عرصہ تک ہمارے مدد و مدد مولانا عبدالرحمن میمن رحمۃ اللہ علیہ، قاضی عبدالحق انصاری رحمۃ اللہ علیہ (سابق ناظم اعلیٰ جمعیت اہل حدیث سندھ) اور راقم الحروف ماہنامہ ”دعوت اہل حدیث“ کی مل کر پروف ریڈنگ کیا کرتے تھے اور ہم تینوں اس کی مجلس ادارت کے رکن بھی تھے۔ راقم الحروف سے ذاتی تعلق:

مولانا عبدالرحمن میمن رحمۃ اللہ علیہ سے میرا ذاتی تعلق تقریباً پندرہ سالوں پر محیط ہے۔ ہماری پہلی ملاقات نیو سعید آباد کانفرنس کے موقع پر ہوئی جو بعد میں برادرانہ تعلقات میں تبدیل ہو گئی۔ ہمیشہ تعلقات مضبوط رہے، کبھی بھی اس میں کمزوری نہ آئی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ میری ہر خوشی و غمی میں شریک ہوتے رہے۔ اسی طرح تقریباً دو سال قبل دسمبر ۲۰۱۰ء میں جب اچانک بیمار ہوا اور حیدرآباد کے ہسپتال میں داخل ہوا تو ہر روز صبح و شام میرے پاس آتے اور طبیعت کا احوال دریافت کرتے گویا ان دنوں آپ کی ہسپتال آنے کی ڈیوٹی لگی ہوئی ہو۔

احباب جماعت سے تعلق:

مولانا عبدالرحمن میمن رحمۃ اللہ علیہ ملک بھر کے علمائے کرام سے رابطہ

عذابِ قبر کی حقیقت: شاہ صاحب نے اس کتاب میں منکرین عذابِ قبر کے انتیس اعتراضات کے مدلل و مسکت جوابات دیے ہیں۔ بہ طور عرض ناشر مولانا عبدالرحمن میمن رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”رواں صدی کے وسط میں ایسا ہی ایک فتنہ ”انکارِ عذابِ قبر“ نمودار ہوا۔ ہندوستان کے شہر جو دھپور کے کے ایک مولوی صاحب نے اسے خوب ہوا دی اور اس کے حق میں ایک رسالہ بنام ”الجزء بعد القضاء“ لکھ کر اس مسلک کا پرچار کیا اور قرآن و سنت کی صریح نصوص کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے شیخ العرب والعجم رحمۃ اللہ علیہ کو جنہوں نے قرآن و سنت کے ٹھوس دلائل پر مبنی یہ رسالہ بنام ”القضاء والجزء بأمر اللہ متی یشاء“ (عذابِ قبر کی حقیقت) لکھ کر جو دھپوری صاحب کے تمام باطل نظریات و اعتراضات کو ہباءِ منشوراً کر کے ان کا علمی پوسٹ مارٹم کیا۔“

یہ کتاب انھوں نے جولائی ۱۹۹۹ء میں شائع کی۔

تسقید سدید بر رسالہ اجتہاد و تقلید: یہ کتاب

مولانا اور لیس کا ندھلوی کے جواب میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی تھی اور آپ کی زندگی میں شائع بھی ہوئی تھی۔ مولانا عبدالرحمن میمن رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب کو دوبارہ شائع کرنا چاہتے تھے۔ اس کی کمپوزنگ ہو چکی تھی اور میں نے خود مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اس کی پروف ریڈنگ کی تھی لیکن آپ کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

انسان کی عظمت: پیر عبدالکریم بیروالی کی کتاب کے

جواب میں لکھی تھی۔ جنوری ۱۹۹۹ء میں سندھی زبان میں شائع کی تھی اور پھر خود ہی مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اردو ترجمہ کیا تھا تا کہ اس سے اردو داں طبقہ بھی مستفید ہو سکے لیکن اردو ایڈیشن شائع نہ کر سکے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی شاہ صاحب اور دیگر علمائے کرام کی کتب شائع کیں جن میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”حقیقی دل کی پہچان“، ڈاکٹر علی بن محمد ناصر فقہی کی کتاب ”بدعت اور اُمت پر اس کے

رکھتے تھے اور اندرونِ سندھ تقریباً نوے فیصد لوگوں سے آپ ؒ کا تعلق تھا۔ آپ گاؤں گوٹھوں میں مساجد کے ذمہ داران اور جماعتی ساتھیوں کو ان کے ناموں سے جانتے تھے اور ہر کسی کی خوشی و غمی اور دکھ درد میں شریک ہوتے تھے۔ اگرچہ مولانا نے خود کانفرنسوں اور جلسوں سے خطاب نہیں کرنا ہوتا تھا لیکن جہاں سے بھی دعوت ملتی تھی وہاں ضرور شریک ہوا کرتے تھے اور اپنی بیماری کو بھی ان سفروں میں حائل نہیں ہونے دیتے تھے۔ مسلک اہل حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے ہمہ وقت کمر بستہ رہا کرتے تھے۔ اس کے لیے اپنی ذاتی جیب سے بھی خرچ کیا کرتے تھے۔

مولانا ؒ گورنمنٹ ہائی اسکول میں استاد تھے اور عرصے سے گریڈ سترہ میں کام کر رہے تھے جہاں سے اچھا مشاہرہ ملا کرتا تھا اور اس رقم کا اکثر حصہ کتابوں کی اشاعت اور جماعتی کاموں میں چلا جاتا تھا۔
دوستوں سے تعلق:

آپ کا تعلق ملک بھر میں پھیلا ہوا تھا۔ آپ کے دوست اور رفیق قاضی مقصود احمد صاحب آف میٹری تحریر کرتے ہیں کہ ۲۰۰۲ء میں عبدالرحمن میمن ؒ کے کہنے پر میں نے ”الرحیق المختوم“ کا سندھی میں ترجمہ شروع کیا اور یہ ترجمہ کافی عرصے تک اشاعت پذیر نہ ہو سکا، اس لیے کسی قدر مایوسی بھی ہوئی۔ اس دوران بچوں کے ناموں پر مشتمل میری کتاب ”مسلمان بچوں کے نام“ ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کی کمپوزنگ میں نے خود کی تھی باقی ٹائٹل بنوانے سے لے کر چھپوائی کی ذمہ داری آپ نے خود اٹھائی۔ اس دوران میری کتاب ”تاریخ میٹری“ تیار ہوئی جو آپ ؒ کے تعاون سے ۲۰۰۶ء میں شائع ہوئی۔ آخر کار ”الرحیق المختوم“ کی اشاعت کا ذریعہ بھی عبدالرحمن میمن ؒ نے تلاش کر لیا۔ یہ کتاب (سندھی میں) المرکز الاسلامی للبحوث العلمیہ کراچی کی طرف سے شائع ہوئی۔ اس سے میمن صاحب ؒ کا دوستوں سے تعلق واضح ہوتا ہے۔

آخری ملاقات:

مولانا عبدالرحمن میمن ؒ نے ۲۸ دسمبر ۲۰۱۳ء بروز جمعہ فون

کر کے مجھے اپنی علالت کے بارے میں آگاہ کیا۔ ۳۰ دسمبر بروز اتوار میں آپ کی عیادت کے لیے میٹری میں حاضر ہوا، گھر پر ملاقات ہوئی۔ گھر کا ایک ہی کمرہ تھا جس کے آگے برآمدہ، کمرے میں دو چار پائیاں، دو کرسیاں، ایک الماری چند بستر اور کتب کا ڈھیر تھا۔ یہ تھی کل کائنات اس درویش صفت انسان کی جس نے دنیا طلبی کے بجائے ہمیشہ آخرت کو ہی نگاہ میں رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد کی نعمت سے محروم رکھا تھا۔ ایک لے پالک بیٹی ہے جس کی عمر تقریباً نو سال ہے۔

آخری خواہش:

آخری ملاقات میں فرمانے لگے کہ دنیا تو جیسے تیسے کٹ جائے گی، میرے لیے دعا کرو کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو۔ میں یہ الفاظ سن کر سوچنے لگا کہ جس انسان نے ہمیشہ دین کو ترجیح دی اور دنیا سے منہ موڑے رکھا، اس کی اب بھی یہ تمنا کہ خاتمہ ایمان پر ہو! اللہ والوں کی ایسی ہی شان ہوتی ہے۔

آخر کار وہ وقت آن پہنچا جس سے کسی کو بھی مفر نہیں ہے۔ ۶ اور ۷ جنوری ۲۰۱۳ء کی درمیانی شب کورات دونج کر پندرہ منٹ پر اسری ہسپتال حیدر آباد میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اگلے دن صبح پورے سندھ میں آپ کی وفات کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ ہر ساتھی غم زدہ ہو گیا اور ایک عظیم انسان کے بچھڑ جانے پر حزن و ملال میں ڈوب گیا۔ اڑھائی بجے دوپہر حافظ محمد سلیم صاحب شیخ الحدیث المعهد السلفی کراچی کی امامت میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں علماء کی بہت بڑی تعداد نے شرکت کی اور عوام کا جم غفیر بھی شریک تھا جنہوں نے اس تحسن جماعت کو اپنی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ پورے سندھ میں آپ کی مغفرت اور بخشش کے لیے دعائیں کی گئیں اور غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھی گئی۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ
وأکرم نزلہ ووسع مدخلہ، آمین۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

گرتو بُرانہ مانے

ہیں خفا ایک پیرِ تسمہ پا
 میرے چہتے ہوئے سوالوں پر
 میری بے عیب صاف گوئی کے
 جگمگاتے ہوئے خیالوں پر
 منہ چڑاتے ہیں سر پٹختے ہیں
 میرے باطل شکن مقالوں پر
 دندناتے ہیں خانقاہوں میں
 طعن کرتے ہیں خستہ حالوں پر
 بیچ کھاتے ہیں چادرِ زہرؔ
 جاں چھڑکتے ہیں خوش جمالوں پر
 ثبت ہے ان کی داستانِ ہوس
 بادۂ ناب کے پیالوں پر
 عمر ساری کئی بہ فیضِ فرنگ
 خوانِ یغما کے تر نوالوں پر
 دل سیہ خانہ ہوس کا شکار
 رُو سیاہی سفید بالوں پر
 وارثِ مسندِ رسولؐ ہیں آپ
 طنز کرتے ہیں مرنے والوں پر

(شورشِ کاشمیری)